اسلامی مصوّری

مختصر

تاریخ اسلامی مصوّری

از

احقر العباد

محمد عبداللہ چغتائی عفی عنہ

۱۹۳۶

فہرست مطالب

مقدمہ

میرا ایک مضمون بعنوان "مسلمانوں میں مصوری کا ارتقاء" سالنامہ کارواں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا تھا۔ جسے اب بعض ضروری ترمیمات اور مزید ومفید معلومات کے ساتھ ازسرِنو رسالہ کی صورت میں پیش کیا جارہا ہے۔ قبل اس کے کہ اس کو مطالعہ کیا جائے چند ضروری الفاظ "روحِ فنِ اسلامی" سے متعلق عرض کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔

اسلامی فنون مغرب کی بڑی بڑی فنّی تحریکات کی طرح نہیں ہیں جو ایک قوم یا ایک ملک کی پیداوار ہیں۔ بلکہ یہ ایک عالمگیر مذہب کی عالمگیر ہم خیالی کے جمالیاتی نفسیات کے نتائج ہیں جس کے پیرو دنیا کے ہر متمدن ملک اور قریہ میں بیشمار تعداد میں موجود ہیں جہاں ان کے گرد و نواح میں مختلف مذاق۔ مختلف طرزِ فن۔ مختلف روایات اپنا کام کرتی ہیں جنکو وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے پر ساتھ لائے مگر اسلام کے بنیادی اصولوں نے ان کی اِن قدیم روایات اور طرزِ فن کا قلع قمع کرکے اپنے خاص نہج پر چلایا۔ اگرچہ جہاں تک مبادیات فن کا تعلق ہے۔ ایرانی۔ بازنطینی وعراقی ان تین عناصر سے فنونِ اسلام بہت متاثر ہوئے جس کے فوراً بعد فنونِ اسلام من حیث الفن ایک خاص صورت اور ہمہ گیر وہمہ رنگ نوعیت اختیار کرکے اسلامی فنون کے نام سے متمیز ہوئے۔ ان کو یہاں تک فروغ ہوا کہ بعض خاص خاص طرزوں نے روئے عالم کے اجنبی فنون پر بھی اثر کیا جسے ہر محقق نے تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ ان اوراق میں بالکل مختصراً محض مصوری ونقاشی سے متعلق ساتویں صدی ہجری تک کا ارتقاء بیان کیا گیا ہے۔

۳ نومبر ۱۹۳۶ء (۱۷ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ)

مختصر
تاریخ اسلامی مصوری
فنون قبل اسلام

قدیم روایات جدید تاریخی تحریکات اور آثار عتیقہ کے اہم اکتشافات نے ہماری معلومات اور ذہنی نشوو ارتقا میں بہت بڑا اضافہ کیا ہے۔ اوران کو منصۂ شہود پر لانے کی غرض سے محققین اور ماہرین نے ہر قسم کے ذرائع اور ماخذ کی تلاش میں کمی نہیں کی ہے۔ جدید معلومات سے قطع نظر اگر مصوری کے صحیح آغاز کا کھوج لگایا جائے۔ تو ہم اس کے رواج اور دریافت کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کرسکتے۔ بلکہ اس کی ترویج کا عہد بھی متعین کرنے سے قاصر ہیں۔ مگر موجودہ تحقیقات اور اکتشافات کی روشنی میں جب اس موضوع پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ تو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ قبل ولادت مسیح تک کے آثار دریافت ہو چکے ہیں۔

مصری

جیسا کہ حال ہی کے مصری اکتشافات نے قدیم تاریخ مصر کو کافی زندہ کردیا ہے۔ اس زمانے کے مصریوں کے اعتقادات، رسوم، اور عادات و اوضاع زندگی ان نقوش جداریہ سے واضح ہیں۔ جو ان کے رسم الخط و تحریر سے ملے ہوئے ہیں۔ ان نقوش اور تحریروں سے

اس نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ مصوری ایک قسم کی تحریر ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ یہ فن مصر میں اس وقت کس اعلیٰ پیمانہ پر تھا یعنی ان نقوش کی بدولت آج ان کی قریب قریب تمام قدیم تاریخ محفوظ ہے۔ ہمارے سامنے برٹش میوزیم کا (Rosela Stone) حجر رشید اس کی بہترین مثال ہے۔ جسے مصری مفتاح اللغۃ ہیروغلیفیہ کہتے ہیں۔ اس پتھر میں ایک مصری فرمان دو طرز کی کتابت میں محفوظ ہے۔ ایک تو کتابت ہیروغلفیہ (قدیم مصری تحریر) ہے۔ اور دوسری کتابت یونانی زبان میں ہے۔ جو ۱۹۵ ق م میں رائج تھی۔ یہ پتھر ۱۷۹۸ء میں مصر میں برآمد ہوا۔ اور ۱۸۰۱ء میں انگلستان لایا گیا۔ اس پتھر سے اس امر پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ کہ یونانی زبان کے ذریعہ کس طرح مصری زبان کو پڑھا جا سکتا ہے۔

یونانی

اگر مصوری کے متعلق یہ تحقیقات کی جائے۔ کہ اس کا آغاز اولاً کس ملک سے ہوا اور مشرق و مغرب میں اس کی ایجاد و رواج کا سہرا اولاً کس کے سر ہے۔ اور ممالک عالم کی مختلف تہذیبوں میں کونسی تہذیب سب سے پیشتر اس کی علمبردار ہوئی ہے۔ تو ایسے سوالات کا جواب آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ یہاں صرف یہی کہنا کافی ہوگا۔ کہ اس کی ابتدا محض مذہبی فرائض کی بنا پر ہوئی ہے۔ فن کی حیثیت سے نہیں جیسا کہ آج وہ شمار ہوتی ہے۔ اگر اہل یونان سنگتراشی میں تمام دنیا پر سبقت لے گئے۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ تو یہ تمام تحریک ان کے مذہبی جذبات کی ممنون احسان ہے۔ کیونکہ یونانیوں نے جس چیز یا شخص کو مافوق العادت دیکھا اُسے قابل پرستش تسلیم کر لیا۔ یہ معبود خواہ جمادات سے ہو خواہ نباتات سے خواہ حیوانات سے۔ یہ پرستش ان میں اس قدر راسخ ہو گئی۔ کہ مختلف معبودوں کی تمثیل کو گھڑ کر ان کی عبادت شروع کر دی۔ اور ان کی خصوصیات

کے مطابق ان کے مختلف نام رکھ دیئے۔ چنانچہ محض مذہب کی بنا پر یونانیوں نے اس فن میں تمام دنیا سے خراج تحسین وصول کیا تھا۔ اس فن نے سکندر اعظم کی فتوحات کے دور میں ممالک غیر پر بھی اثر ڈالا۔ جب سکندر اعظم ہند میں آیا تو اس کے ہمراہ بیشمار حکماء، فضلاء، اور صناع تھے۔ انہوں نے ہند کی فضا کو دیکھ کر اپنے فن کو ہندی دیوتاؤں کی خدمت گزاری کا بھی آلہ بنا دیا۔ اس کا سراغ ٹیکسلا و بامیان وغیرہ کے قدیم اصنام میں ملتا ہے۔ اس عہد کے یونانیوں کے مذہب کو جمالیاتی مذہب کے نام سے یاد کرنا بیجا نہ ہو گا۔ جو بالخصوص فنون لطیفہ کے فروغ کا باعث ہوا۔ مؤرخین نے لکھا ہے۔ کہ جب سکندر نے ممالک مشرق میں قدم رکھا۔ تو اس کا درباری مصوّر اپیلاس بھی اس کے ہمرکاب تھا۔ جس نے ابھی محض سکندر کی جنگوں کے مناظر کو اپنے مشاہدہ کے مطابق حوالۂ قلم و رنگ کیا تھا۔ مگر اس کے دل میں یہ امنگ تھی۔ کہ کبھی بزم کی ملکہ صنف نازک کے ساتھ بھی اس کی تصویر اتارے۔ سکندر نے اس کے مصوّرانہ جذبات کا اندازہ و احترام کرتے ہوئے وعدہ کیا تھا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا تھا۔ کہ وہ فاتح اور جنگجو ہونے کی حیثیت سے قدرتاً مجالس نشاط اور صنف نازک کی صحبتوں سے چنداں دلچسپی نہیں رکھتا۔ چنانچہ جب ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی تو نازنینان حرم دارا میں سے ایک کمپاسپ نامی نازنین کو انتخاب کر کے سکندر کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ سکندر نے حسب وعدہ اپیلاس مصوّر کو اس کی تصویر بنانے کا حکم دیا۔ اس نے نہایت مسرت سے یونانی دستور کے مطابق نازک حسین کمپاسپ کو اپنے سامنے عریاں بٹھا کر تصویر کھینچنی شروع کی۔ اب تک مصوّر کے مُوقلم کو جنگی مناظر کی مشغولیتوں سے کبھی فرصت نہیں ملی تھی۔ اس تبدیلی سے اس پر ایسی وجدانی کیفیت طاری ہوئی۔ کہ وہ اپنے فن کے مبادیات بھول گیا۔ جس طرح ایک ماہر موسیقی دان اپنی دلکش آواز اور ترانوں اور نغموں سے سامع کا قلب موہ لیا کرتا

ہے۔ یہی حالت اس دوشیزہ کے حسن وشباب کی مقناطیسی کشش نے غریب مصور کے دل کے
ساتھ کی ۔ وہ ہزار دل وجان سے اس پر فریفتہ ہوگیا۔ اس کے جذبات وخیالات اس قدر مسحور ہوئے
کہ وارفتگی کے عالم میں مصور خود پیغمبر کا نمونہ بن کر رہ گیا۔ سکندر اعظم یونانی النسل اور ارسطو کا تلمیذ تھا۔
اور تسخیر اقالیم وفتح ممالک اس کی غایت تھی حسن وعشق کے جذبات لطیف سے بالکل مستغنی تھا۔
وہ اپنے مصور کو مغلوب جذبات دیکھ کر کمپاسپ کو اس کی رفیقۂ حیات بنا دیتا ہے۔ اس سے
واضح ہوتا ہے کہ فنون لطیفہ کے لحاظ سے وہ زمانہ بھی اوج کمال پر تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ جب سکندر اعظم فارس میں آیا۔ تو اس وقت وہاں کے فنون ظریفہ
کی کیا حالت تھی۔ وہاں کے قدیم ایوان طیسفون۔ طاق بوستان۔ قصر شیریں وغیرہ عمارات کے
نقوش جس سے ایرانیوں کے مذہب وعقاید وغیرہ پر پوری روشنی پڑنے کے علاوہ فنون لطیفہ ایران
کے اعلیٰ معیار کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ان کے ساتھ عراق کے جدید اکتشافات ہیں عراق وعجم کے فن
میں مماثلت بتلاتے ہیں۔ عراق کے ورے اشور کے کھنڈرات بھی کسی حد تک یہی روایات پیش
کرتے ہیں۔ غرضکہ مشرق کے یہ تمام ممالک معہ مصر جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اپنا الگ الگ فن
اپنی روایات کے مطابق رکھتے تھے۔

اگر ہم یونان عراق وعجم کو مغربی ومشرقی حیثیت سے دیکھیں۔ تو فن کی فوراً دو حیثیتیں مغربی
ومشرقی ہو جاتی ہیں۔ جو اپنی اپنی خصوصیات میں بالکل متضاد ہیں۔ ایک کو دوسرے پر تقدم زمانی نہیں
دیا جا سکتا بعض محققین نے لکھا ہے "کہ یونانی علوم وفنون اگرچہ مشرقی ہی ہیں لیکن ان کی نشوونما مشرقی
روایات پر نہیں ہوئی۔ بلکہ یورپی اور یونانی روایات پر ہوئی ہے۔ جس کی تاریخ بھی موید ہے ۵۲۱ھ
ق م دارا اول کے عہد حکومت میں جب ایرانیوں نے یونانیوں کو تاخت وتاراج کیا جس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ مصر، فلسطین، شام، ایشیائے کوچک اور قبرص تک اور بحیرہ روم کا مشرقی ساحل ایرانیوں کے قبضہ میں آچکا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ قدیم بازنطینی و ایرانی نقش ونگار بہت مشابہ ہیں۔ ایک قدیم نقشین کوزہ کے انکشاف نے اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالی ہے جو اٹلی کے ایک پرگنہ کا توزہ میں برآمد ہوا ہے جس میں کسی قدیم مصور نے داراشاہ ایران کو یونانیوں سے خراج وصول کرتے ہوئے دکھایا ہے۔ نقاش اس وقت کی بود و باش کے مطابق دونوں قوموں کو متمیز طور پر اظہار کرنے میں کامیاب ہے۔

رومی

متنبی متوفی ۳۵۴ھ نے جہاں سیف الدولہ کی تعریف کی ہے۔ وہاں اس کے محلات وغیرہ کی بھی خوب مدح سرائی کی ہے۔ اور بہت لمبے قصیدے میں وہاں کے نقوش کی تفصیل بیان کی ہے جن میں سے دو شعر ملاحظہ ہوں۔ ان سے اسی طرح معلوم ہوگا۔ کہ شعرائے عرب کا کلام بجائے ایرانی فنون کے رومی (بازنطینی) فنون کو ضرور بیان کرتا ہے۔

تری حیوان البر مصطلحا بها   یحارب ضد ضده یسالمه

وصورة الرومی ذی التاج ذلیة   لا بلج لا تیجان الا عمائمه

معنی خشکی کے حیوانات نے اس سے صلح کر لی ہے۔ ہر مخالف جانور اپنے مخالف سے لڑتے اور صلح کرتے ہوئے مصور کئے گئے ہیں۔ اور بادشاہ روم اس سفید پیشانی والے (سیف الدولہ) کے آگے کوئی ہستی نہیں رکھتا۔ حالانکہ سیف الدولہ کے عمامے بھی اس کے تاج کا کام دیتے ہیں۔

اسی طرح متنبی نے سیف الدولہ کے منقوش خیموں کی تعریف کی ہے جن کے لئے بہت

سے ایسے ہی الفاظ تھے ۔جیساکہ کپڑوں کے لئے ہے ۔

کتاب البلدان ہمدانی میں وضاحت سے ملتا ہے ۔کہ بازنطینی فن سے مقصود رومی ہے مشرقی رومی سلطنت کے نہایت کاریگر مصورین دنیا میں شمار ہوتے تھے ۔خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں بغداد و دیگر شہروں میں گرجے تعمیر ہوئے جن میں رومی روایات پر مسیحی لوگوں نے کام کیا ۔ اور اسی طرح سے ان کا اثر بھی ان پر ہوًا ۔

چینی

ماہرین صنائع چین و ماچین کا خیال ہے ۔کہ چینی مصوّری کے ماخذ چینی رسم الخط کے ساتھ ہی ملے ہوئے ہیں ۔جو دراصل تصاویر و نقوش سے اخذ کیا گیا ہے یعنی قدیم نقوش کی شکل اختیار کر لی ہے ۔ باوجودیکہ اس کے بہت قدیم سے نشان ملتے ہیں ۔مگر صحیح معنوں میں قدیم چینی مصوّری کے ضمن میں ختن کے اکتشافات دیواری مصوّری قدیم بدھ مذہب نے بہت مدد کی ہے جن پر ڈاکٹر سر ارل سٹائین نے اپنی انتھک مساعی جمیلہ سے روشنی ڈالی ہے ۔ اور ایک ضخیم کتاب "ہزار بدھ" کے نام سے شائع کی ہے ۔جس کو تیسری صدی عیسوی سے لیکر آٹھویں صدی تک منسوب کیا جاتا ہے ۔ختن کے متعلق بھی قدیم حالات مشہور بدھ مذہب کے چینی سیاح فاہین کی اپنی تحریر میں ملتے ہیں ۔جو ۴۱۴-۳۹۹ء میں براستہ مغربی ختن سفر کر کے ہندوستان میں داخل ہوًا ۔ اور بگدھ کا سفر کر کے براستہ لنکا اپنے ملک کو روانہ ہوًا ۔ اور یہی راستہ تھا جس سے بدھ مذہب نے چین تک رسائی کی ۔

ایرانی

ایران کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے ۔کہ ایک قلیل عرصہ کے لئے بھی ایرانی فنون لطیفہ کی ترویج میں باوجود حوادثات زمانہ کے کوئی خلیج حائل نہیں ہوئی ۔ یورپین محققین فن نے بازنطینی فن

کو بہت ترجیح دی ہے۔ لیکن یاد رہنا چاہیئے۔ کہ ظہور اسلام کے وقت وہاں کے مدارس بند ہو گئے تھے۔ جو دراصل وہاں کا خاتمہ تھا۔ ایرانی فن کے تسلسل کے متعلق اور شواہد بھی ملتے ہیں۔ جیسا کہ شعرائے اسلام نے ابتدا ہی سے اپنے کلام میں بعض جگہ اس فن کی خوبیوں کو بطور تشبیہات پیش کیا ہے چنانچہ ابونواس متوفی ۱۹۵ھ نے جام شراب کی تعریف میں کہا ہے۔ ؎

قرارتها کسریٰ و فی جنباتها　　مها تدریها بالقسین الفوارس

معنی۔ اس کے پیندے میں کسریٰ کی تصویر ہے۔ اور اس کے پہلوؤں میں نیل گائے کی تصویریں ہیں جن کے شہسوار کمانوں کے ذریعے شکار کرتے ہیں۔

بحتری متوفی ۲۸۴ھ ایوان مدائن کے متعلق کہتا ہے ؎

والمنایا مواثل وانوشر　　وان یزجی تحت الدرفش

معنی۔ موتیں برباد کرتی رہتی ہیں۔ حالانکہ نوشیرواں درفش کاویانی کے نیچے پرورش کیا جاتا مصوّر کیا گیا ہے۔

وسط ایشیائی اور ہندی

آثار ختن سے قدیم فن بلاد ترکستان پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ آج بھی یورپ اپنے اعلیٰ مصوری کے نمونے پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان میں بدھ مت کی مکمل سرگذشت معہ رسومات و اعتقادات کے رنگین نقوش میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یاقوت حموی ختن کے متعلق معجم البلدان میں لکھتا ہے "کاشغر سے الگ یارکند کے عقب میں بلاد ترکستان کا حصہ وادی جبال کے درمیان بلاد ترک کے وسط میں واقع ہے سلیمان بن داؤد بن سلیمان ابوداؤد المعروف بحجاج الختنی کے نام سے مشہور ہے۔ مقام بامیان کے ذکر کے علاوہ وہاں دو عظیم بتوں سرخبد و خنگبد

کا بھی ذکر ملتا ہے ۔ جہاں تمام پرندوں کی تصاویر منقوش تھیں ۔ جو اللہ نے زمین پر پیدا کئے ۔
اسی طرح اجنٹا و دیگر ہندوستانی غاروں کا ذکر بھی لازمی معلوم ہوتا ہے ۔ جن کی تاریخ بھی قریب قریب
یہی بتائی جاتی ہے ۔ اور جو دنیا بھر میں شہرت بھی حاصل کر چکے ہیں ۔ مگر قدیم کتب تاریخ میں ہمیں اجنٹا
کا کہیں ذکر نہیں ملتا ۔ یہ حال کی دریافت ہے ۔ جبکہ انگریز اس ملک میں آئے ۔ البتہ غار ہائے اورہ
کا ذکر علاؤالدین خلجی اور اورنگ زیب کے کارناموں میں ملتا ہے ۔ ان کے متعلق آئندہ آگے چل کر
مفصل عرض کرنا ہوگا ۔

لہ یاقوت صفحہ ۱۸۴/۲

عربستانِ اسلام سے قبل

عربوں کی کمال خوشی کا معیار اس میں ہے کہ تیز رفتار عمدہ بدن گھوڑا ہو حسین خیمہ نشیں عورت ہو۔ عمدہ آبدار دھار والی تلوار ہو سنہری انگوری شراب کا جام ہو خصوصیت سے جبکہ فلک پر کالی گھٹا چھائی ہو۔ ان کی یہ سب خاصیتیں ان کے شاہکار سبع معلقات سے عیاں ہیں جن کا ایک ایک لفظ ان کے فنون لطیفہ کا صحیح آئینہ ہے۔ اور ان کی طبع موزوں۔ بلکہ منظومیت شاعری کا فیضان اہم درجہ اُن سے واضح ہے۔

موسیو لیبان نے تمدن عرب میں تحریر کیا ہے۔ کہ فنون لطیفہ میں عموماً مصوری۔ بُت تراشی، تعمیرات اور موسیقی شامل ہیں چنانچہ اگر ہم عربوں کے قدیم فنون کو بغور دیکھیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ یمن میں قدیم زمانہ ہی سے قریباً تمام فنون مذہبی طور پر ادا کئے جاتے تھے۔ کیونکہ ابھی تک وہاں ایسے دیواری نقوش ملتے ہیں۔ جو قدیم عرب باشندوں کے اعتقادات، عادات، اور دیگر واقعات پیش کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں آیا ہے۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا ۵ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۵ ج
وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۵ ج (نوح)

ترجمہ۔ انہوں نے کہا اپنے معبودوں کو مت چھوڑو۔ اور نہ (بُت) ود نہ سواع، نہ یغوث، نہ نسر، حالانکہ انہوں نے بہتوں کو گمراہ کر ڈالا۔

اس کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں۔ کہ مختلف قبائل کے مختلف اصنام مختلف مقام

پر تھے جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔ سب قبائل ہر سال بھر میں ایک دفعہ بیت اللہ شریف کا حج کرتے جس کے طواف میں رقص و موسیقی کو دخل دیتے جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً۔ ترجمہ۔ ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف تالی اور سیٹی بجانا ہوتا تھا۔ پھر یہ بھی کہا گیا۔ وَاذْكُرُوا اللهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا۔ یہ مسلمانوں سے خطاب حج کے موقعہ پر ہے۔ کہ اللہ کی اس عبادت کرو جس طرح قدیم زمانے میں تم اپنے آباو اجداد کے ذکر میں فخر یہ قصائد پڑھا کرتے تھے۔ یہ سب چیزیں مذہب کی بنا پر تھیں۔ آج ان کے آثار نہ ملنے کی وجہ محض اسلام ہے۔ جس نے ان کے فروغ کو ایک دم روک دیا اور مرور ایام سے وہ خود بخود ہی مٹ گئے۔

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں یہ معبد ۳۶۰ بتوں سے معمور تھا۔ کعبہ کی دیواروں پر حضرت ابراہیمؑ۔ اسماعیلؑ۔ عیسیٰؑ اور مریمؑ کی رنگین تصاویر تھیں۔ جو فتح مکہ کے موقعہ پر صاف کی گئیں اور بتوں کو توڑا گیا۔ اور ان کی بیع و شرا کو حرام قرار دیا گیا۔ آنحضرت صلعم نے اس پر خطبہ بھی دیا بعض بعض موقعوں پر بعض علمبرداراں اسلام کو بعض قبائل کے اصنام شکنی کے لئے بھیجا گیا۔ امراء القیس کا شعر ملاحظہ ہو۔

كَأَنَّ دُمَى سَقْفٍ عَلَى ظَهْرِ مَرْمَرٍ ۔۔۔ كَسَا مُزْبِدَ السَّاجُومِ وَشْيًا مُصَوَّرًا

ترجمہ۔ گویا مقام سقف کے بت سنگ مرمر کے سٹینڈ پر جن پر وادی ساجوم کے نقش کئے ہوئے کپڑے ہیں۔

اگر (Keats) نے (Ode to Grecian Urn) لکھ کر غیر فانی شہرت حاصل کی ہے۔ تو یہ ایک شعر اس کے سامنے کسی صورت میں بھی کم نہیں ہے جس میں امراء القیس نے یہ زیادتی کی ہے کہ اس آرٹ کے نمونہ کو پھر ایک ایسی آرٹ کی چیز یعنی منقش کپڑے سے ڈھانپ کر اس کو مزید منقدر

اس صورت میں بنا دیا ہے۔ کہ دیکھنے والی آنکھ کو ہمیشہ کے لیے اس حسین نمونہ فن کو دیکھنے کی غرض سے آرزومند کر دیا ہے۔ جو اس کے غایت الفاظ سے ظاہر ہے امراالقیس کا ایک شعر ملاحظہ ہو

خرجت بها نمشی تجر وراءنا   علیٰ اثرینا ذیل مرط مرحل

ترجمہ۔ مرط مرحل یعنی ایسی چادر جس پر محمل کی تصاویر بنی ہوں۔ اگر مرحل کو مرحّل پڑھا جائے۔ تو معنی ہوں گے۔ کہ اس پر آدمیوں کی تصاویر منقوش تھیں۔

خود آنحضرت صلعم کا ایسی چادر کا استعمال کرنا بعض احادیث سے ثابت ہے۔

۱۔ اِنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صلعم خرج ذات غداۃ وَعلیہ مرط مرحل

۲۔ کَانَ یصلی وَعلیہ مِن ھٰذہ المرحلات   (المروط)

اسی طرح جب کسی کپڑے پر تیروں کے نقوش ہوتے اُسے مسھم کہتے تھے جن پر پرندوں کی تصاویر ہوتی تھیں۔ انہیں مطیّر جن پر گھوڑے کی تصاویر تھیں مخیّل جن پر درخت منقوش ہوتے انہیں مشجر کہتے تھے۔ غرضکہ بہت سے ایسے نام وضع کئے جاتے تھے۔ مثلاً مسیّف، مکعّب، معرض، مسعد، معصد جن پہ انگوٹھیاں ہوتیں اسے سجلاط

ہم نے ظہور اسلام کے پہلے جو حالت فنون لطیفہ کی تھی کسی حد تک اس غرض سے پیش کر دی ہے۔ کہ اس مختصر سی کیفیت سے کم سے کم یہ ضرور اندازہ ہو جائے۔ کہ ان قدیم کی فنون لطیفہ سے کیا اغراض وابستہ تھیں۔ جو محض مذہب تھا۔ اور اسی جذبہ میں سب کچھ کیا گیا۔ جو بعد میں جا کر بہت بڑا جز و فنون لطیفہ کا بن گیا۔ اسلام نے جو کچھ اس ضمن میں پیش کیا۔ وہ بالکل اس کے برعکس تھا جس نے قبائل کی تمام روایات کو ایک ایسے عقیدے سے توڑ دیا۔ اور ایسے طریق زندگی کی طرف مائل کیا۔ جو ان کے لئے بالکل بیگانہ تھا یعنی تمدن عرب قبل بعثت آنحضرت صلعم اور بعد بعثت بالکل متضاد تھے۔

ان میں کوئی مماثلت قائم نہیں ہو سکتی۔ مگر وہ فنون جو اسلامی فنون کی ممیز حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ سب کے سب فتوحات اسلامیہ کی پیداوار ہیں۔ ان کو در اصل غایت مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ وہ محض ایسے متذکرہ بالا ماحول میں مسلمانوں کی منفرد طبع کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ اور انہوں نے اپنے اپنے ماحول میں رہ کر خاص ممیز صورت اختیار کی۔ جو اسلامی کہلائی۔ ڈاکٹر مارٹن گروہ مان کونل اور سٹری زگووسکی کا خیال ہے۔ کہ مسلمانوں نے مذہبی فن تصویر کشی پیدا کی۔ مگر سر آرنلڈ مؤید ہیں۔ کہ اسلام نے کبھی کوئی اپنا خاص مذہبی فن مصوری پیدا نہیں کیا۔ جن سے مذہبی شعار و اطوار نظر آئیں۔ اور جیسا کہ ہم بدھ مذہب۔ جین مت اور عیسائیت کی تصاویر سے حاصل کرتے ہیں۔

آغازِ اسلام

یہ قدرت کا تقاضا رہا ہے۔ کہ جب کبھی دنیا میں انحطاط اپنی غایت کو پہنچ جاتا ہے۔
تو ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کہ کسی مصلح یا مجدد کو بھیج کر اپنی نیابت کا کام لے۔ یا دوسرے الفاظ میں
بہت بڑی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلعم کے درمیان زفترہ)
کا ایسا زمانہ تھا کہ لوگ لہو ولعب اور فسق و فجور کے دلدادہ اور یادِ الٰہی سے بیگانہ ہو چکے تھے۔
دنیا میں کوئی مذہب نہ تھا۔ فنون لطیفہ جذبات کو برانگیختہ کرنے والے تھے۔ اور مذہب حسن و عشق
تصوّر کیا جاتا تھا۔ بازنطینی فنون لطیفہ نے تمام دنیا پر تسلط کر رکھا تھا۔ اور عوام اندھادھند اس کے
مطیع ہو رہے تھے۔ اصنام پرستی نہیں۔ بلکہ اصنام تراشی اعلیٰ عبادت و فن شمار ہوتے تھے۔ آنحضرت
صلعم کی بعثت جو توحید الٰہی کا کھلم کھلا اعلان تھا۔ اور تمام غیر اللہ معبدوں کے عابدوں کو چیلنج تھا۔
جس کا یہاں تک اثر ہوا کہ جسٹینن شاہ روم جیسے مدبر نے ایتھنز کے مدارس بند کر کے صنّاع و فضلا کو
سلطنت سے نکال دیا۔ خاص کر وہ ایام تھے۔ جبکہ گریگری پادری اعظم نے فلسطین کا کتب خانہ جلا دیا
تھا۔ اور شاہ خسرو نوشیرواں ایران نے ان تمام جلاوطن لوگوں کو پناہ دی تھی۔ مگر ایران میں بذاتِ خود
ان کی آگ جو صدیوں سے شعلہ زن تھی۔ ٹھنڈی ہو گئی۔ غرضیکہ دنیا میں بہت سے ایسے عجیب و غریب
واقعات پیش آئے اور سب کائنات آفتاب رسالت کے انتظار کے لئے منتظر تھی۔ اور قدرت کا
کافۃ الناس کے قلوب کو ضلالت و گمراہی سے نجات دلانا مقصد وحید تھا۔ چنانچہ طرفۃ العین میں
ان نور کی شعاعوں نے بجلی کی رَو کی طرح اثر کیا۔ لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے
شروع ہوئے اور ان کو لہو و لعب، فسق و فجور جو ان کے ہاں فنون لطیفہ شمار ہوتے تھے۔ اور

جن سے جذبات مشتعل ہوتے تھے۔ یکلخت ان کا قلع قمع کر دیا گیا۔ بلکہ ان کو حرام و واجب الترک گردانا گیا۔ اگرچہ ان سے ایک دم روک تھام مشکل کام تھا کیونکہ یہ وہ وقت تھا کہ امراءالقیس اور لبید وغیرہ کے قصائد ان کی نوک زبان تھے۔

جب لبیدؓ مشرف باسلام ہوئے۔ اور وفد بنی کلاب میں آنحضرت صلعم کے سامنے آئے تو یہ شعر پڑھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اِذْ لَمْ یَاْتِنِیْ اَجَلِیْ حَتّٰی کَسَانِیْ مِنَ الْاِسْلَامِ سِرْبَالًا

ترجمہ۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ مجھے اس وقت موت نہیں آئی۔ جب تک میں نے اللہ کے فضل سے اسلام کا جامہ نہیں پہن لیا۔

حضرت عمرؓ نے مزید شعر سننے کی درخواست کی۔ تو سورہ بقر پڑھ کر سنائی اور کہا جب میں نے سورۃ بقر سیکھ لی ہے۔ تو کیا ضرورت ہے۔ جس پر حضرت عمرؓ نے آپ کو پانسو درہم عطا کئے۔ لبیدؓ کے اس شعر میں تمام فلسفہ اسلام پنہاں ہے۔ اور اس سے بہت سے امور پر روشنی پڑتی ہے کہ اسلام نے سب جذبات بڑھانے والی باتوں سے ایک دم روک دیا تھا۔ کیونکہ اسلام کافۃ الناس کے لئے آیا تھا۔ نہ محض خطہ عرب کے لئے چنانچہ اسلام نے بہت تھوڑی مدت میں شرق و غرب میں وہ مقبولیت حاصل کی جو صدیوں میں کسی اور مذہب کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ یہ سب کچھ منجانب اللہ اور اسلام کی سیدھی سادی تعلیم کا اثر تھا۔ جو مساویانہ اصولوں پر قائم تھی۔

فنون لطیفہ نے ہمیشہ اپنا الگ اور محدود ماحول قائم کیا ہے۔ جو ان مقاصد اور اصولوں کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کوئی ہمہ گیری ان امور کی طرف نظر نہیں آتی۔ توراۃ کے مطالعہ سے متعدد مقامات پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ محض تصاویر کی وجہ سے بعض اقوام پر غضب الٰہی نازل ہوا۔

چنانچہ جب حضرت سلیمانؑ نے ایوان بیت المقدس کی تعمیر کرائی۔ تو دروازوں اور دیگر مقامات پر نقوش تھے۔ اس واقعہ کی قرآن کریم میں یوں تفصیل آئی ہے۔

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِن مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ (۳۴:۱۳) سورۃ سبا

باوجود اس کے انجیل میں تصاویر یا مجسموں کے لئے کوئی امتناعی حکم نہیں ہے۔ جب مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جہاد کیا۔ تو اولین فاتحین شام و مصر اپنے آپ کو بازنطینی یا قبطی معبدوں میں مسند نشین کہا جن پر وہ اپنی فتوحات پر قابض ہوئے۔ اور ان کو ان کی حالت پر معاہدہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے دیا۔ کسی قسم کا کوئی تخلل واقع نہیں کیا۔ اپنی الگ قیام گاہیں اور مسجدیں قائم کیں۔ یہ قدیم نشانات آج برآمد ہو رہے ہیں۔ اور ان اطراف میں قدیم صناعی کا پتہ دیتے ہیں۔ عرب صحرا نشین افریقہ، اندلس، فارس وغیرہ کے میدانوں کو عبور کر کے آگے بڑھتے چلے گئے۔

یہ مسلمانوں کا خاصہ رہا ہے۔ کہ جہاں بھی رہے تنہا بغیر شرکت غیرے اپنی جدّت طبع سے ہر امر میں خاص تنوع پیدا کیا۔ مصر میں قبطی، اندلس میں بربر، فارس میں ایرانی، ہند میں ہندی تھے۔ مگر اسلام نے ان نو واردین اسلام کو اپنی فطرت کے مطابق ایک نئے جذبہ کی اجازت دی جیسے شارع اسلامؐ خوب جانتا تھا۔ کہ ان میں کس طرح سرایت کر سکتا ہے۔ غرضکہ اسلام جہاں بھی گیا لوگوں کے قلوب پر حاوی رہا۔ اور اس نے فنون لطیفہ میں ایک خاص تغیر پیدا کیا۔ جو اوائل زمانہ میں فن تعمیر میں زیادہ تر نظر آتا ہے جس میں ایک خاص ہی نوعیت پیدا کی۔ چنانچہ آنحضرت صلعم سے لے کر عمر بن العزیز کے زمانہ تک بارہا مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی۔ مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی کے زمانے میں جب مسجد نبوی کی تعمیر کی تجدید ہوئی۔ تو روما وغیرہ کے معمار بلائے گئے۔ ایک رومی معمار نے اپنے حسب عادت مسجد کی غربی دیوار پر بجائے نقش و نگار کرنے کے خنزیر کی تصویر بنا دی۔ جسے خلیفہ کے

حکم سے قتل کیا گیا[1]۔ اور دیگر معماروں نے یہود و نصاریٰ کے معبد کی طرح تعمیر کرنے سے گریز کیا۔ اور خلیفہ کے فرمان کے مطابق تعمیر کی۔ جس سے بہت سے امور پر روشنی پڑتی ہے۔ اوّل ابتدا میں مسلمانوں نے واقعی غیر مسلم صناعوں سے اپنی تعمیرات میں مدد لی۔ جس کی اور بیشمار مثالیں ملتی ہیں۔ دوم مسلمان ایک خاص امتیازی طرز اپنے سامنے رکھتے تھے۔ سوم جاندار نقوش سے اعراض کر کے مسلمانوں نے ان نقوش و بیل بوٹوں کا اختراع کیا۔ جو اس سے قبل رائج نہ تھے۔ ان کے دیکھنے سے ایک مسرت ہوتی ہے۔ اور یہ نہیں معلوم ہوتا۔ کہ کہاں سے شروع ہوتے ہیں اور کہاں ختم ہوتے ہیں۔ جن پر آنکھ تک نہیں ٹھیر سکتی۔ اور ان میں وہ تناسب و توازن (SYMMETRY) قائم کیا۔ جو واقعی اس سے قبل نہیں تھا۔ اس سے ان کے توازن ذہن اور اعلیٰ مذاق و کمال علم ہندسہ کا ثبوت ملتا ہے۔ جو اصول علم ہندسہ پر مبنی ہے۔ یہ ان جاندار نقوش کا بدل تھا۔ جو ان صحرا نشینوں نے اختیار کیا۔ اور یہی آج دنیائے فن تعمیر میں متمیز نظر آتا ہے۔ انہوں نے قرآن کی آیات و احادیث کو اس کمال سے نقش کیا۔ جس کی وجہ سے الگ الگ رسم الخط کی بنا رکھی گئی۔ اور ان کے مختلف نام پڑ گئے۔ جو آج کوفی۔ نسخ، طغرا، تعلیق وغیرہ وغیرہ سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے فنون کی تقسیم میں بت تراشی کی بجائے خطاطی کو دخل دینا ہوگا۔ بعض معترضین ہم سے سوال کریں گے۔ کہ باوجود شارع اسلامؐ نے تصاویر کو اپنے کلمات طیبات میں سراسر ممنوع قرار دیا ہے۔ بعد میں کیوں تصویر کشی کو اختیار کیا۔

قال رسول اللہ صلعم ان اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ المصورون (بخاری)

قریب قریب تمام کتب احادیث میں یہ حدیث مختلف طریق سے متداول ہے۔ اور مطلب سب کا ایک ہی ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ دیا کہ جس گھر میں تصویر ہو۔ اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ غیر ذی روح کی تصویر منع نہیں ہے۔ پھر بعد میں کیوں اس سے تجاوز کیا گیا۔ اس کا مختصر

---

[1] دیکھو وفاء الوفاء باخبار دار المصطفےٰ۔

جواب یہ ہے۔ کہ حضور سرورِ عالم کا فرمان اسی طرح اٹل ہے لیکن ماہرین نے ان کو کسی حد تک ان حضرات سے پاک پایا جو قرون اولیٰ یا اس کے قریب زمانہ میں سمجھے گئے تھے۔ اور وہ محض مذہبی حالت ملک اور ابتدائے اسلام کے امتیاز سے تھے۔ ان کے قلع قمع کرنے کا مقصد محض شرک سے روکنا اور جذبات کو اعتدال میں رکھنا تھا۔ کیونکہ ملک کی فضا شرک سے لبریز تھی لہو فنون لطیفہ سے جذبات کے مشتعل ہونے کا اندیشہ تھا۔ بہت سے فقہا نے بھی یہی مطلب اخذ کیا ہے۔ چنانچہ علامہ بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت میں کسی حد تک ایسی ہی شرح کی ہے۔ اور امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں بھی اس کی تائید کی ہے آنحضرت صلعم جب غزوہ تبوک سے واپس گھر تشریف لائے۔ تو آپ نے گھر میں چند گڑیاں دیکھیں جن حضرت عائشہؓ اپنی سہیلیوں سے کھیلا کرتی تھیں۔ ان میں ایک گھوڑا بھی تھا۔ آپ نے دریافت کیا۔ اے عائشہ یہ کیا ہے۔ جواب دیا۔ یا رسول اللہ گھوڑا ہے۔ آپ نے پھر پوچھا کہ گھوڑے کے پر بھی ہوتے ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہ آپ نے سنا نہیں۔ کہ حضرت سلیمان کے گھوڑے کے پر تھے۔ آپ نے مسکرا دیا۔ یہ واقعہ ۸ یا ۹ ہجری کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ تصاویر غیر مشرکانہ کا آغاز آنحضرت صلعم کے زمانہ سے ہی ہو گیا تھا۔ جس پر فقہا نے گڑیوں کو جائز کہا ہے۔ جو پرستش کی صورت میں نہیں آسکتیں۔ آپ نے مصورین کے لئے اشد عذاب کی قید اس لئے لگائی تھی۔ کہ وہ پرستش کے لئے تصاویر یا مجسمے بناتے تھے۔ مگر مرور ایام نے آہستہ آہستہ ان کے قلوب کو ان مضرات سے محفوظ کر دیا۔ اور شرک کا اندیشہ جاتا رہا۔ سعید بن عامرؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ ہمارے پاس ایک کپڑا تھا جن پر تصاویر تھیں اسے میں نے آنحضرت صلعم کے سامنے لٹکا دیا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے مجھے منع کیا۔

اور کراہت کا اظہار کیا۔ میں نے اس کے دو تکئے بنا دیئے۔ عرب میں اس طرح کپڑے کو پردے کے طور پر لٹکانے کو حائطہ کہتے ہیں۔ صاحب نفح الطیب نے ان کی بہت سی اقسام معہ نقوش بیان کی ہیں۔ میرا خیال ہے۔ کہ اب جو یورپ میں پردے آویزاں کرنے کا دستور ہے۔ وہ ہسپانی عربوں کے ذریعہ وہاں پہنچا ہے۔ یہاں یہ کہنا مناسب ہوگا۔ کہ حرمت خمر کے وقت ان برتنوں کے استعمال سے بھی روکا گیا۔ جن میں شراب بنائی جاتی تھی۔ اور ان کے مختلف نام بھی تھے۔ جب مسلمان اس سے رک گئے۔ تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دیگئی۔ اسی طرح زیارت قبور سے بھی ابتدا میں روکا گیا۔ جو عرب میں اصنام پرستی کے مشابہ تھا۔ لیکن جب آپکو ان خطرات کا اندیشہ جاتا رہا اور لوگ بھی سمجھ گئے۔ تو آپ نے بعد میں اجازت دی۔ اور فضائل زیارت قبور بھی بیان فرمائے۔ یہی بات سونے چاندی کے زیورات سے متعلق ہے۔ غرضکہ بہت سے ایسے امور ہیں جن میں ایسا ہوا۔ انہی دلائل کو مدنظر رکھ کر محققین آج کے مفہوم تصاویر سے متاثر ہو کر فوٹو وغیرہ کے جواز میں فتوے بھی دے ہیں[۱]۔ خیر ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں۔ ایسے امور میں تو غایت فن اور غایت مقصد کو ضرور دخل ہے۔ مذہب اور چیز ہے۔ جب مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایران کو فتح کیا۔ اور جب آپ ایوان میں داخل ہوئے۔ تو جابجا تصاویر نظر پڑیں۔ انکو دیکھ کر کسی قسم کا ایذا نہیں پہنچایا۔ بلکہ نماز شکرانہ وہیں ادا کی[۲]۔ اس کے برعکس جب فتح شام کے موقع پر عیسائیوں نے آپ کو اپنے کنیسہ میں دعوت دی۔ تو بوجہ تصاویر کنیسہ میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ جس سے استدلال ہوتا ہے کہ ایک طرف تو تصاویر مشرکانہ حیثیت رکھتی تھیں۔ اور دوسری طرف اس کے خلاف جہاں تسامح اختیار کیا گیا۔ اس سے ہماری تائید ہوتی ہے۔ کہ نیت کو ضرور دخل ہے۔ ابن سعد نے اپنی طبقات میں قبیصہ بن ذویبؓ کے تحت میں درج کیا ہے۔ کہ حضرت

---

۱ فتوی السید رشید رضا۔ فتوی الشیخ عبدہ وغیرہ۔ ۲ طبری ص۲۴۴۳

عثمان کے زمانہ میں مدینہ تمارین کے محلہ میں نقاشوں کے کوچہ میں رہتے تھے[1]۔ اگرچہ مدینہ منورہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں زیادہ تر آباد ہوا۔ مگر اس سے صاف پتہ ملتا ہے۔ کہ یہ فن بالکل مفقود نہ تھا۔

---

[1] طبقات ابن سعد ترجمہ قبیصہ بن ذویب۔

خلفا کا زمانہ

اموی خلفا جو خلفائے اربعہ راشدینؓ کے بعد آئے۔ اور ان کے بعد خلفائے عباسیہ جنہوں نے بغداد کو دارالخلافہ قرار دیا ان سب نے بہت جلد محسوس کیا۔ کہ اسلام کا یہ صحرائے شعور اس عزلت میں نہیں سمائیگا۔ ایک وسیع سلطنت ایک خانہ بدوش خانداں کی طرح سنبھالی نہیں جاسکتی خلیفہ اپنا گھر اونٹ کی کھال کے خیمہ میں قائم نہیں رکھ سکتا اس کے لئے ضروری تھا۔ کہ علوم وفنون پیدا کئے جائیں جس سے حضارت کو فروغ ہو تاکہ قرآن حکیم اور پیغام رسول کے ارشادات کو دنیا میں پھیلا دیا جائے۔ چنانچہ ایسے فاضل لوگ پیدا ہوئے جن کو دربار خلافت سے تعلق تھا۔ اور فنون وعلوم جو آج اسلامی فنون وعلوم کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں اسی طبقہ کے منت پذیر ہیں

سامرہ

جب خلیفہ معتصم نے سامرہ کی بنیاد ڈالی تو وہاں اپنی رہائش کے لئے قصر تعمیر کروایا جسکی دیواروں پر نقاشی تھی ۲۲۲ھ میں خلیفہ کے حکم سے وزیر احمد بن خالد نے اپنی مساعی جمیلہ سے اس کام کو سرانجام دیا۔ یہ دیواری نقوش ظاہر کرتے ہیں۔ کہ وہاں نہ محض بیل بوٹے ہی تھے۔ بلکہ جانوروں کی تصاویر بھی تھیں۔ اور یہ نقوش مصوری کا وہ جذبہ اور اعلیٰ معیار پیش کرتے ہیں کہ آج بھی اس سے عمدہ موجودہ فن مصوری پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ڈاکٹر ہرز فیلڈ کی کتاب سامرہ تین جلدوں میں ہے۔ اس میں چند نمونے مختلف عجائب خانوں سے اکٹھے کرکے دیئے گئے ہیں خصوصیت سے شیر کی شبیہ آجکل کی شیلڈ کا تصور دیتی ہے۔ دیگر نمونہ جات نقاشی بھی خاصی روشنی ڈالتے ہیں اور

اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ یہ نقوش بجائے اس کے کہ تمثیلی ہوں۔ بلکہ تخیلی اور رسمی طور پر بنائے گئے ہیں۔ عربوں نے مصوری میں یہ ایک جدید نظریہ پیدا کیا تھا۔ ایک جگہ آپ دیکھیں گے۔ کہ کس طرح کتوں سے گورخر کا شکار اور عقاب سے پرندوں کا شکار کیا جاتا تھا۔ اور ساتھ ساتھ آرام کی زندگی کا ماحول کیا ہوتا تھا۔ اگر ان کا اجنٹا کی جملہ دیواری مصوری سے مقابلہ کیا جائے۔ تو اس سے بالکل مختلف کام مختلف طریقۂ فن مختلف جذبات مختلف ماحول نظر آئے گا۔ فریڈرک موزیم برلن میں ایک ٹکڑا استرکاری سامرہ پر احمد بن موسیٰ کاریگر کا نام ملتا ہے۔ اس کتاب سے مسلمانوں کے دیگر حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ کہ کس طرح وہ اپنے مکانات کو آراستہ کرتے تھے۔ اور اگر ان کا کو پوری طرح مطالعہ کیا جائے۔ تو مسلمانوں کی پوری تہذیب کا نقشہ عیاں ہو جائیگا۔

ان محلات میں ایک حمام بھی ہے۔ اس کے ایک دروازہ پر ابھی تک ایک کتبہ محفوظ ہے

بسم اللہ امر بنا ھذا الحمام احمد بن محمد المعتصم باللہ امیر

المؤمنین ادام اللہ التائید والسعادۃ وعافیۃ من اللہ ورحمتہ

ان نقوش میں بعض جگہ کرامتہ کی بھی تصاویر ملتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سامرہ اور اس کے گرد و نواح میں مسلمانوں نے بعد میں بھی مختلف عمارتیں بنائیں۔ یاقوت نے چند اشعار خوب نقل کئے ہیں۔

وَمَازالت اسمع ان الملوك — يبنى على قدر اقدارها

واعلم انّ عقول الرجال — تقضى عليها بآثارها

"یعنی ہر خلیفہ اپنے اپنے اقتدار کے مطابق تعمیرات میں زیادتی کرتا رہا۔"

اسی گرد و نواح میں ایک قدیم حمام الفار کا ذکر ملتا جس کو بہت چھوٹا ہونے کی وجہ

سے الفار (چولہا) کہتے تھے۔ کیونکہ روم میں حمام بہت زیادہ وسیع بنائے جاتے تھے۔ ان کے اندر تین طبقات ہوتے تھے۔ ایک سے دوسرے میں جانے کے لئے راستہ بھی ہوتا تھا۔ یہ حمام الفار اول ان حماموں میں سے ہے۔ جو اسلام میں اول تیار ہوا جب اس کو عمرو بن العاص نے تعمیر کرایا۔ تو رومیوں نے اپنی عادت کے خلاف دیکھ کر اس کو بنظر حقارت دیکھا۔ اور کہا کہ یہ تو چوہوں کے لئے تعمیر ہوا ہے۔ چنانچہ اس کا نام اسی دن سے حمام الفار مشہور ہو گیا۔ حمام کے سلسلہ میں اس کی بناوٹ پر بھی بحث ملتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس کو بھی خوب سمجھتے تھے چنانچہ سب سے بہتر حمام وہ ہوتا ہے۔ جو قدیم ہو چکا ہو۔ اس لئے کہ جو حمام جدید تعمیر ہو گا۔ اس میں خرابی ہے۔ کہ اس کی دیواریں ابھی تک تر ہوں گی۔ اس لئے اس میں غسل کرنے سے نقصان ہو گا۔ اور بخارات پیدا ہوں گے۔ حمام نو تعمیر شدہ کے لئے بعض شارح فرماتے ہیں۔ کہ اس قسم کے حمام سے یہ نقصان ہے۔ کہ اس کی دیواروں میں جو تری اور نمی ہو گی۔ وہ چونہ گچ اور تارکول کے ساتھ تحلیل ہو جائے گی۔ اب حرارت حمام کی وجہ سے اس میں سے بخارات اٹھیں گے جس کا انسان کے بدن کے اندر جانا روح اور نفس کے لئے بہت مضر ہے۔ اس لئے کہ ان کا اثر قلب پر بھی پڑے گا۔ حمام ہائے قدیم جو مصر میں باقی رہ گئے ہیں۔ وہ سب خراب ہو گئے ہیں۔ صرف ان کے کچھ نشانات باقی ہیں۔

مصر

✓ مقریزی کی کتاب مصر کے بیان سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وہاں تصویر کشی اعلےٰ معیار پر تھی۔ کیونکہ عرب مصوّرین اصول مناظر اور قرب و بعد کے اثر سے بخوبی واقف تھے۔ وہ بعض صناعوں کے اسما بھی نقل کرتا ہے۔ مثلاً ابوبکر بن حسن متوفی ۳۶۵ھ۔ استاد احمد بن یوسف احمد بن محمد مستنصر کے زمانہ کا

مشہور واقعہ ہے۔ کہ اس کے وزیر الحسنؒ بن علی البازوری نے ابن عزیز مصور کو عراق سے اور قاہر کو بصرہ سے بلوا کر ان کی نقاشی کا مقابلہ کروایا۔ دونوں مصوروں کو ایک رقاصہ کی تصویر محل کے جھروکے پر بنانے کیلئے کہا گیا۔ جو خود بازوری کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ قاہر نے رقاصہ کو سفید لباس میں سیاہ پردے پر اس طرح ظاہر کیا۔ گویا وہ حاضرین سے رخصت ہو رہی ہے۔ اور ادھر ابن عزیز نے اس کو زرد پردے پر سرخ نقاب میں اس طرح مصور کیا۔ گویا وہ نقاب سے باہر آ رہی ہے۔

بنی طولون

بنی طولون کا زمانہ ۲۵۴ھ سے شروع ہوتا ہے جس کا بانی احمد بن طولون ہے جس نے دنیا میں اپنی تحریکات سے ہلچل پیدا کر دی تھی۔ اور فنون کے سلسلہ میں مصر کی سرزمین کو مالامال کر دیا۔ اور خاص کر محکمۂ تعمیر کو بہت فروغ ہوا۔ متعدد مساجد، مدارس و محلات تعمیر کئے گئے بلکہ تاریخ فن تعمیر اسلامی میں طرز بنی طولون کا خاص ذکر ہے۔ محلات الفخیمہ جن کے اردگرد حدائق الغنا تعمیر کئے۔ اس نے پہاڑ پر بہت ہی خوبصورت مسجد ۲۶۳ھ میں تعمیر کرائی جس کا نام جامع ابن طولون رکھا گیا جس کے آثار آج تک اس کی شان و شوکت کا پتہ دیتے ہیں۔ اس کے قرب میں خمارویہ ابن احمد ۲۷۰-۲۸۲ھ نے اپنے محل میں ایک بڑا صحن قائم کیا جسے سنہری نقش و نگار سے مزین کیا گیا جس میں اس کا اس کی بیوی اور اس کے درباری شعراء کے مجسمے قائم کئے گئے جس کا آج نشان نہیں ملتا۔ ابن طولون کی قبر کے تعویذ پر وہ نقوش کندہ ہیں۔ جو اس کی مسجد وغیرہ کے دروازہ پر ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صناعوں نے اسے مناسب سمجھا۔ کہ بجائے اس کے اس کی تعمیرات کے ذکر کو کتبہ میں اس کی قبر کے تعویذ پر ثبت کریں انہوں نے اس پر ان تمام عمارات کو نقوش میں کندہ کر دیا۔ جو اس نے تعمیر کی تھیں۔ اس سے عیاں ہوتا

ہے۔ کہ نقش و نگار کو مصر میں تحریر کے طور پر ابھی تک استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ جو اصل غایت فن ہے۔ [۱]

خلفائے فاطمین

مصری فنون لطیفہ اسلامی کے ضمن میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کی ابتدا ۳۵۸ھ سے ہوتی ہے۔ جن کی حکومت میں شیعہ مذہب کو بڑا فروغ حاصل ہوا تھا۔ اور ان کی وجہ سے قبطیوں کو پھر موقع ملا۔ کہ وہ اپنے قدیم جذبۂ فنون جمیلہ کو عوام میں آزادی سے پیش کر سکیں۔ اور اپنی مردہ روایات کو پھر زندہ کریں چنانچہ بہت آزادی سے فنون کی طرف توجہ کی گئی مستنصر باللہ ۴۸۷ھ کے خزائن کے حالات کے سامنے الف لیلہ کے قصّے بھی ماند پڑ جاتے ہیں۔

ناصر خسرو علوی اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے۔ کہ جب میں مصر میں ۴۴۰ھ میں گیا۔ تو سلطان کے ہاں دعوت میں بلایا گیا اور وہ خصوصیت سے سلطان کے تخت کے ذکر میں کو یا ہے کہ چار گز بلند تھا۔ اس کے تینوں طرف شکار گاہ و میدان وغیرہ کی تصاویر تھیں۔ اور نہایت پاکیزہ خط میں کتبے لکھے ہوئے تھے۔ پھر لکھتا ہے۔ قصر فاطمین میں خلیفہ مستنصر کا ایک آفتابہ تھا جو خالص سونے چاندی کا تھا۔ اس پر پرندوں اور شکاریوں کی نہایت عمدہ تصاویر منقوش تھیں۔ اور نیز دیگر تصاویر کا ذکر کرتا ہے جو لکڑی پر کندہ تھیں۔ فاطمی خلیفہ امر باحکام اللہ نے اپنے قصر میں تمام شعرا کی تصاویر دیواروں پر بنوائیں۔ اور ہر شاعر کا ایک شعر اس منظر کی تعریف میں لکھوا کر درج کر دیا۔ اور ہر تصویر کے پاس طاق میں ایک ایک تھیلی ایک سو پچاس اشرفیوں کی سر بمہر رکھوا دی۔ ہر شاعر آتا تھا۔ اور اپنے حصّہ کی تھیلی طاق سے اٹھا کر لے جاتا۔ جب اشرف الخلیل حلقتہ الجبل پر قابض ہوا۔ تو اس نے اس کو بلند کرایا۔ سپید رنگوایا۔ دیواروں پر تمام امرائے دولت کی تصاویر بنوائیں۔

---

[۱] الحکومۃ المصریہ صفحہ ۱۹ علی بہجت۔

اور قبہ کو نہایت نفیس نقش و نگار سے آراستہ کیا۔ مصر کے عجائب خانہ میں فاطمی خلفا کے ہزاروں آثار موجود ہیں جن میں ایک ٹکڑا مرمر کا ہے جس پر ایک کتبہ خط کوفی میں ہے۔ دراصل مشہد سے متعلق ہے۔ اس پر لکھا ہے "بسم اللہ الخ بعملہ عبداللہ ولیہ ابی المیمون عبداللہ"

دور ایوبی

۵۶۷ھ میں خلفائے فاطمین کے بعد مصر میں ایوبیوں کا دور دورہ ہوا جن کا زمانہ زیادہ تر جنگی مہمات میں گذرا اور فاطمی عہد کے صناع مصر کو چھوڑ کر شام، ایشیائے کوچک، عراق، عرب، ایران، صقلیہ اور اندلس میں پھیل گئے۔ اور ان مقامات میں اپنے فن کو فروغ دیا۔ جو اس وقت کی تاریخ میں نمایاں ملتا ہے۔ دور ایوبیہ میں مسلمانوں کو بہت بڑی فتوحات حاصل ہوئیں۔ ان میں خاص طور پر قابل ذکر فتح بیت المقدس ہے۔ جسے مسلمان عرصہ تک حاصل کرنے کی کوشش کر چکے تھے۔ گو اس دور میں فنون کی طرف توجہ کم ہوئی تھی لیکن جو کچھ بھی ہوا اپنی نوعیت میں آئندہ نسلوں کیلئے راہ عمل تھا۔ زیادہ تر جنگی عمارات و سامان حرب کی طرف توجہ مبذول رہی۔ فاطمین کے قصر کو قلعۃ الجبل کے نام سے بدل دیا۔ اس میں وہ بات رکھی کہ اس میں مدخل و مخرج کا خوب انتظام کیا۔ اور ایک خندق اس کے اردگرد محصورین کے بچاؤ کے لئے بنائی۔ اور اس میں خاص قسم کے جنگی گنبد قائم کئے جن سے باہر کا اچھی طرح سے مشاہدہ کیا جا سکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو قدرت نے اس صنعت کے رائج کرنے کا خاص ملکہ عطا کیا تھا جو بعد میں جا کر دنیا کے لئے ایک جنگی قلعہ جات کا خاص فن بن گیا۔ اس زمانہ کی بعض عمارات کے منقش ٹکڑے ملتے ہیں۔ جو یورپ کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔ اور سامان حرب کے تو بیشمار نمونے نظر آتے ہیں۔ حجر ازرق کا ایک منقوش ٹکڑا ملا ہے۔ جو بقلم نسخی ۵۸۹ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں قندیل وغیرہ کی شکلیں ہیں۔ اور نقاش کا نام

عبد الرحمٰن وابن اخیہ لکھا ہوا ہے۔ [۱]

غزنویہ

محمود غزنوی کے زمانے سے یہ ہرگز مترشح نہیں ہوتا۔ کہ اس میں کبھی ان فنون کی طرف توجہ کی گئی ہو۔ کیونکہ ہمیں لے دے کے یہی یاد ہے۔ کہ اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے۔ لیکن اس کی سپاہیانہ زندگی کے علاوہ علوم کی سرپرستی کی طرف دیکھا جائے۔ تو مجالس شعرائے فارس کے قیام کا سہرا اس کے ہی سر نظر آئے گا۔ اس کے عہد میں فرخی، عنصری، فردوسی جیسے شعرا ہوئے۔ فردوسی نے شاہنامہ لکھ کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ شاہنامہ کے عنوان کے تحت میں یہاں اتنا لکھنا کافی ہوگا۔ کہ اس کے بعض بیانات محض قدیم نقش ونگار دیوارہائے فارس کا پتہ نہیں دیتے۔ بلکہ آئندہ آنے والی تخئیلی مصوّری کا راستہ کھولتے ہیں۔ مصورین نے شاہنامہ کے اشعار کو اپنے ادراک کے مطابق مصوّر کیا۔ انہوں نے تمثیلی (REALISTIC) حدود سے نکل کر رسمی اور تخئیلی (IDEALISTIC AND CONVENTIONAL) مصوّری کی طرف رجوع کیا۔ جو دراصل مسلمانوں میں مصوّری ونقاشی کا نصب العین رہا ہے۔ سلطان محمود غزنوی نے ایک باغ بڑے ساز وسامان سے تیار کرایا تھا۔ گلہائے رنگا رنگ کے تختے جا بجا جدولیں دو طرفہ سرو شمشاد ایک طرف مصنوعی خوشنما جھیل اس میں رنگ رنگ کی مچھلیاں کانوں میں موتی کے آویزے پہنے ہوئے پھرتی تھیں۔ تصاویر میں محمود کو کہیں برچھا لئے شکار میں مصروف کہیں بزم عیش میں بیٹھا دکھایا ہے فرخی نے اس باغ کا نقشہ چند اشعار میں پیش کیا ہے۔

مؤرخ بیہقی نے اپنی تاریخ میں سلطان محمود غزنوی کے محلات کی جو تفصیل دی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دیوار وسقف نقش ونگار سے مزین تھیں۔ اور خاص کر الفیہ وشلفیہ کے

---

[۱] تاریخ حکومتہ المصریہ مجنہ حفظ الآثار العربیہ صد۲

الفاظ سے بیان کیا ہے۔ جو خاص کر ان سلاطین کی فارغ البالی کا پتہ دیتی ہیں[۱]۔ بعض منصب واقعہ نگاروں نے بیان کیا ہے۔ کہ محمود غزنوی نے ہند کے مندروں وغیرہ کو برباد کر کے بہت سا سامان یہاں سے لے جا کر اپنے محلات و مساجد بنائے۔ مسٹر فرگسن تاریخ فن تعمیر ہند میں لکھتا ہے۔ کہ غزنوی کی عمارات کو دیکھ کر اس امر کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ کہ ان میں کسی طرح بھی ہندی سامان سے مدد لی گئی ہو۔ مسجد کے صندلی ستونوں کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ یہ سومنات کے مندر سے لائے گئے ہیں لیکن غزنی کی مقامی لکڑی ایسی ہی ہوتی ہے۔ انہیں سومنات سے کوئی مشابہت نہیں[۲]۔ غزنی کا طرز تعمیر زیادہ تر بنی طولون کی عمارات سے مشابہ ہے۔ اور اس دور کے شعرا نے بیشمار قصاید سلاطین غزنی کی مدح میں لکھے ہیں جن میں ان کے محلات و مساکن کی پوری تفصیلات اور اس وقت کی مصوری کا پتہ ملتا ہے۔ سلطان محمود غزنوی نے ایک باغ بڑے سرو سامان سے طیار کرایا تھا۔ گلہائے رنگا رنگ کے تختہ زار جا بجا جدولیں دو طرفہ سرو شمشاد ایک طرف مصنوعی خوشنما جھیل اس میں رنگ رنگ کی مچھلیاں کانوں میں موتی کے آویزے پہنے ہوئے تیرتی پھرتی تھیں۔ تصویر خانہ میں محمود کی مجسم تصویریں بھی کہیں بر چھا تا تندیں لئے ہوئے شکار کھیل رہا ہے کہیں بزم عیش میں بیٹھا ہے۔ اور شراب کا دور چل رہا ہے۔ فرخی اس باغ کا نقشہ دکھاتا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

یکے کاخ شاہانہ اندر میانش	سر کنگرہ بر کنار دو پیکر
بہ کاخ اندروں صفہائے مصفا	در صفہا ساختہ سوئے منظر
یکے ہمچو زیبائے چینی منقش	یکے ہمچو ارژنگ مانی مصور
نگاہ دیدہ در چند نامہ مصور	شہ مشرق را اندراں کا پیکر

---

[۱] تاریخ بیہقی ص ۱۳۵ کلکتہ [۲] تاریخ فن تعمیر ص ۱۹۳ ج ۲

بہ یکجائے درصید درست ژوبین | بہ یکجائے در بزم بردست ساغر
ازاں کاخ فرخ چو اندر گذشتی | یکے رود آب اندرو ہمچو شکر
یمین دول شاہ محمود غازی
امین ملل خسرو بندہ پرور

سلجوقی

۴۵۰ھ کا ایسا زمانہ تھا۔ کہ خلفائے مصر، سلاطین سلجوق اور خلفائے بغداد میں جنگ شروع تھی۔ خلیفہ القائم بامر اللہ بغداد کو منوا تر ایک مہینہ کے لئے غار میں قید کر دیا گیا تھا۔ اسی اثنا میں طغرل بیگ نے اپنے بھائی پر فتح پائی۔ تو والی غار کو لکھ کر خلیفہ کو رہا کر دیا۔ اور بعزت تمام دار الخلافہ میں پہنچا دیا گیا۔ خلیفہ کا قصر جو لوٹا جا چکا تھا۔ اور جو کچھ کسی نے لوٹا تھا واپس نہیں کیا۔ ان میں ہزارہا ٹکڑے مشجر کے تھے جن پر خلفائے عرب اور ان کے جنگجو ارکان سلطنت کی تصاویر تھیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سا ایسا سامان تھا جو حیوانی اور انسانی تصاویر سے مزین تھا۔ [1]

سلاجقہ کے متعلق عرض ہے کہ انہوں نے زیادہ تر فن تعمیر میں حصہ لیا تھا لیکن شہزادہ طغرل بن ارسلان شاہ ۱۱۹۴-۱۱۷۷ء نے اپنے ہاں ایک مصور جمال اصفہانی کو ملازم رکھا تھا تاکہ ان تمام شعرا کی تصاویر بنوائے جنہیں زین العابدین الراوندی نے اپنے مجموعہ کلام میں بیان کیا ہے۔ اس نے کتاب کو اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا۔ اور ہر ایک تصویر کے نیچے ان شعرا کے اشعار بھی قلمبند کئے تھے۔ یہ اسی طرح سے ہے جس طرح متذکرہ بالا خلیفہ الامر باحکام اللہ نے اپنے درباری شعرا کی تصاویر بنوائی تھیں۔ [2]

---

[1] تاریخ الخلفا سیوطی ص ۱۶۷ و مقریزی
[2] ملاحظہ راحت الصدور مرتبہ پروفیسر اقبال

مصوّری کا صحیح تخیلی پہلو

مسعودی بیان کرتا ہے۔ کہ جزیرۃ العرب میں بہت سے مقام پر چینی تاجر مقیم تھے۔ جن سے عرب روسا بہت سی چینی اشیائے نقش و مصور لے کر اپنی شادیوں کے موقعے پر بطور تحفہ تحائف دیا کرتے تھے۔ اور یہ چینی ان کے نزدیک اعلیٰ صناع شمار ہوتے تھے۔ جو دنیا بھر کے دیگر صناعوں پر سبقت رکھتے تھے۔ اس نے ایک عجیب قصہ بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ چینی تاجر کس قسم کی اشیاء عام بازاروں میں فروخت کرتے تھے۔ ایک چینی مصور نے ایک پرندہ کی تصویر ایک تنکے پر بیٹھے ہوئے بنائی۔ وہ بازار میں پڑی ہوئی تھی جسے بہت سے لوگ عجیب و غریب سمجھے۔ آخر ایک شخص نے اس پر علانیہ نکتہ چینی کی وہ تاجر اسے سلطان کے پاس لے گیا۔ وہاں تصویر کا نقص دریافت کیا تو بیان ہوا۔ کہ پرندہ تنکے پر اس طرح بیٹھ نہیں سکتا۔ معترض کا اعتراض مصوّر کو بُرا معلوم ہوا۔ قدیم شعرائے فارس کے کلام میں چینی صنعت کی بہت تعریف ملتی ہے۔ مگر اس کے برعکس تیسری صدی ہجری کے آخر میں ایک عرب ابن وہاب بصری نے بادشاہ چین کے دربار میں ایک مرقع تصاویر انبیا پیش کیا تھا جن میں آنحضرت صلعم کی بھی تصویر تھی۔ ثعالبی نے اہل چین کی صنعت کے متعلق بیان کیا ہے۔ کہ اس کے ہم عصر نقش اور تصویر کی صنعت سے ناواقف تھے۔

اور کہا کہ چین کے لوگ دست کاری اور آنکھ کی حکمت میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ اور چینی لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ ہمارے سوا باقی تمام دنیا اندھی ہے لیکن بابل کے

باشندے کانے زیک چشم ہیں۔ اہل بابل تصویریں، نقش اور فوٹو کی صنعت اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہاں تک کہ انسان کی تصویر بغیر کسی کمی کے بنا سکتے ہیں۔ اسی پر اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ ہنستے اور روتے ہوئے کی تصویر بنا لیتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر خوشی کی ہنسی اور شرمندگی کی ہنسی اور ہنسنے والے اور تعجب کرنے والے اور سرور کرنے والے اور مسخری کرنے والے میں پورا پورا امتیاز کر کے تصویر بنا سکتے ہیں۔

زکی مبارک مؤلف النثر الفنی کہتا ہے[1] کہ یہ جو کچھ ثعالبی نے اہل چین کا کمال دیکھا کوئی عجب چیز نہیں ہے۔ وہ قومیں جن کو تصویر میں دسترس ہے۔ ان کے نزدیک ایک معمولی چیز ہے۔ ثعالبی کا غدر اس کے معاصرین کا غدر اور ان کے اسلاف کا غدر کہ نقوش اور تصویر دونوں میں سے اہل دین جھگڑا کرتے ہیں بے توجہی کے عالم میں پڑے رہے۔ مسٹر آرنلڈ کا خیال ہے کہ اسلامی مصوری نے دور دراز تک سفر کیا۔ اگرچہ مذہبی تصورات کے برعکس تھی[2] یہ یاد رہے کہ مسلمان ماہرین فن نے دراصل یہی پہلو اختیار کیا ہے۔ نہ کہ تمثیلی جو کہ آزری کے مترادف ہے

سکوک و مواہیر

خلفائے بنی امیہ کا زمانہ زیادہ تر بیرونی فتوحات میں گذرا ہے۔ اس لئے ان کی توجہ نشر و اشاعت علوم کی طرف کم نظر آتی ہے لیکن عبدالملک نے اپنے زمانہ میں عمارات کو بہت فروغ دیا۔ اور اس کے علاوہ اس نے اسلامی سکہ کی بنا رکھی۔ اور سکہ رائج الوقت جو زیادہ تر ایرانی و بازنطینی تھا۔ اس کی تقلید میں ابتدائً ایسا سکہ جاری کیا جس پر اس کی خود اپنی تصویر ہوا کرتی تھی۔ یہ سکہ برآمد ہو چکا ہے سیف الدولہ کے متعلق بھی ملتا ہے۔ کہ جو اس نے دینار سکوک کرایا۔ اس پر اس کا نام اور اس کی تصویر تھی۔ سلطان بیبرس نے اپنے سکہ پر شیر کی تصویر منقوش

---

[1] النثر الفنی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸۴/۲ [2] اسلامک بک

کرائی تھی۔ اسی طرح مسلمانوں کے ہاں دیوان میں مہر بھی تحریر وغیرہ کو ثبت کرنے کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ قاضی شریح رح کی شخصیت دنیائے اسلام میں حضرت علی رض کے خلاف فیصلہ صادر کرنے کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ طبقات ابن سعد یہ میں ہے۔ کہ آپ کی مہر میں دو شیر اور درمیان میں ایک درخت تھا۔ غرضکہ آج جو شیلڈ وغیرہ کا تصور ہے۔ قدیم زمانہ میں بھی تھا[1] مگر متذکرہ بالا سکۂ عبد الملک کے متعلق عرض ہے کہ وقتی مصلحت کے لحاظ سے جاری کیا گیا تھا۔ جب لوگ سکہ کے عادی ہو گئے تھے تو خالص اسلامی سکہ ۷۶ھ میں جاری کیا گیا۔[2]

لیکن بنی عباس کا زمانہ ایسا ہے۔ جبکہ فنون وعلوم کی طرف زیادہ توجہ ہوئی۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ ان کے تعلقات دنیا کے دیگر ممالک اور سلطنتوں سے قائم ہو چکے تھے خصوصیت سے قابل ذکر ان کا تعلق اہل فارس سے جو ہے۔ ان کے ہاں برامکہ کے ذریعہ سے ہوا پھر اہل یونان سے بھی ہوا۔ جو ان کے دربار میں اہل علم کی صورت میں آتے۔ غرضکہ یہی دور اسلام میں ہے۔ جب سے یہ فنون متمیز طور پر سامنے آئے اور ان کا بطور فنون اسلامی شمار ہوا۔ اسی لئے مصوّری کو مدنظر رکھ کر اختصاراً ان شعبوں کو بیان کیا گیا ہے۔ جن میں مصوّری کو ضرور دخل ہے۔

ظروف پر نقاشی

قدیم زمانے سے فن ظروف سازی مصر، عراق اور عجم میں مروّج تھا۔ جیسے ظہور اسلام ہی سے مسلمانوں نے ضرور اپنی روایات کے مطابق سنبھالا اور بغیر نقش ونگار کے یہ کام قدرے کم حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ہزاروں نمونے ایسے یورپ کے عجائب خانوں میں دیکھنے میں آئے ہیں۔ جن کے نقش ونگار بالکل اسلامی ہیں۔ اور بہت قدیم ہیں اس

---

[1] ابن سعد ص ۹۶ [2] فتوح البلدان مصری ص ۴۷۲

سے ایک امر پر ضرور روشنی پڑتی ہے۔ کہ ابتدا ہی سے مسلمانوں کا مذاق ہر ضروری اشیا میں ایک متمیز صورت رکھتا تھا۔ اور ان پر نقش و نگار بعض اوقات حسب موقعات و حالات ہوتے تھے۔ کبھی کوئی فوجی سوار یا نظارہ یا کوئی پالتو جانور کبھی قرآنی آیات یا اشعار ان پر منقش ہوتے تھے۔ اور یہ فن ایک ایسی الگ حیثیت رکھتا ہے۔ کہ بیشمار کتب بالخصوص اسلامی ظروف و ظروف سازی یا کاشی کاری وغیرہ پر تصنیف ہو چکی ہیں۔ جو اسلامی مصوری کے ارتقا میں ضرور دخل رکھتی ہیں۔ بعض اہم قدیم نمونے برٹش میوزم میں سامرہ اور مصر کے ملتے ہیں۔[۱] جو غالباً خلیفہ معتصم (۲۲۲ھ) کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان پر نقوش اور تصاویر بھی ملتی ہیں۔ بغداد کے بھی بہترین نمونے ملتے ہیں۔ ایک طشت پر براق کی ایک طائر نما گھوڑے کی صورت میں ہے۔ اس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں نے اس فن میں بھی رسمی نقش و نگار کو دخل دیا۔[۲] سامرہ کے بعد فوراً رقہ اور سمرقند وغیرہ میں یہ فن نظر آتا ہے۔ جہاں وہ ترقی ہوئی ہے۔ کہ ایک نمایاں پہلو اختیار کر لیا۔ مگر رَی تو بعض حالات میں سامرہ سے بھی سبقت رکھتا ہے۔ موسیو مجیوں نے ایک نمونہ دیا ہے۔ جو تیسری صدی ہجری کا ہے۔ اس میں عربی تحریر بھی ہے۔ اور درمیان میں ایک آدمی بھی بیٹھا ہوا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ فن ایران میں پہلے ہی اعلیٰ معراج پر تھا۔ اور اس وجہ سے ان کو اسلامی روایات نقش و نگاری اختیار کرنا کوئی مشکل نہ تھا خصوصیت سے ان میں سے ایک مرتبان قابل ذکر ہے۔ جس پر حلقوں میں عربی تحریر اور تصاویر انسانی ہیں۔ جو اس وقت کے اعلیٰ معیار فن اسلامی کا پتہ دیتی ہیں۔ اس کی تاریخ ۵۷۵ھ ہے۔ مگر اس پر سامرہ کا اثر ہے۔ چونکہ یہاں محض ارتقا مصوری کے ضمن میں بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ ہزار ول

---

[۱] برٹش میوزیم مسلم پوٹری گائڈ پلیٹ ۱۲ صـ۲   [۲] برٹش میوزیم گائڈ پلیٹ

نمونے بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں۔ علاوہ ظروف کے اینٹیں وغیرہ سامرہ کی بے شمار چمکدار رنگوں سے مزین دیکھی جاسکتی ہیں۔ مگر جو نمونہ قدیم ظاہر اطور پر ملتا ہے جس پر تاریخ ہے۔ وہ واشنگٹن میں فریر کے مجموعہ میں ۲۳۶ھ کا ہے۔ اور قیروان، بغداد، رتے وغیرہ سے قدیم نمونے بھی مل سکتے ہیں۔ اور بہت سے نمونے ایسے ملتے ہیں جن پر تصاویر ہیں۔ اور تحریریں بھی ہیں بعض یورپین محققین نے ظروف پر نقاشی کا کام کرنے والوں کے ابتدائی نام جمع کئے ہیں۔ جن کے دستخطوں کو میں نے بھی دیکھا ہے۔

عمل عمر، عمل عبید، عمل ذکری، صنعۃ عیسیٰ، عمل الاحمر
عمل ابی خالد، عمل کثیر بن عبد اللہ، عمل مالق بن العباس[۱]
عمل الاستاذ، عمل المحرز بن علم، عمل الشامی[۲]

فن ظروف سازی کے رنگین نقش و نگار کے بعد ایک خاص فن دیواری مصوری کا نظر آتا ہے۔

دیواری مصوری

اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ کہ قدیم زمانہ ہی سے مصر، شام، عراق، اور ایران میں دیواری نقوش اسلام سے پہلے موجود تھے۔ لیکن جب خلیفہ ہشام اموی (۱۲۵ھ) کے زمانہ میں حر بن یوسف الثقفی والئے موصل نے ایک مدرسہ، سرائے اور ایک محل تیار کروایا۔ ابن الاثیر کے بیان کے مطابق یہ محل زین سازوں کے بازار میں تھا۔ جو اب ویران ہو چکا ہے۔ اور سفید سنگ جراحت سے بنایا گیا تھا۔ دیواروں پر پچی کاری کی گئی تھی۔ اس محل کو اس کی خوبیوں کے سبب سے منقوشہ کہا جاتا تھا۔ بعد میں یہی قطع حر کے نام سے مشہور ہو گیا[۳]

[۱-۲] سامرہ از ساری۔ ہوبسن۔ برٹش میوزم پوٹری گائڈ وغیرہ [۳] ابن الاثیر ص۱۰۵ معجم البلدان ص۲۳۹ ج۴ امیر علی تاریخ سارسین ص۱۳۹

ان نقوش دیواری کے متعلق متعدد شعرائے عرب کے کلام میں بھی شہادتیں ملتی ہیں مثلاً ابن احمد لیس - ابوالصلت - بحتری متنبی - ضحاک، ابونواس وغیرہ وغیرہ۔

مساجد کی دیواروں پر نقاشی

مقدسی کا بیان ہے - کہ جب اس نے جامع دمشق کی زیارت ۳۷۵ھ میں کی - تو اس نے دیکھا - کہ اس کی در و دیوار پر آدمی کی اونچائی کے دوگنا برابر مرو شفاف پتھر سے مزین تھیں پھر چھت تک پر چین کاری (فسیفسا) مقامی رنگوں میں تھی - اس میں درختوں اور ملکوں کی تصاویر تھیں - اور کتنے بھی منقش لکھے تھے - جو بہت ہی عمدہ حسین نازک فن سے کئے گئے تھے - بہت کم درخت یا شہر ہیں - جو ان دیواروں پر نہیں ہیں۔

صاحب محاسن النشاء نے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے - کہ شیشہ جو مسجد کی دونوں دیواروں میں تھا - اس میں نقش و نگار تھے۔

اسی طرح جامع عبدالملک کے متعلق ہے - جسے اس نے قدس میں بنایا تھا - اس کے اندرونی حصہ کو مختلف قسم کے نقوش اور عجیب و غریب رسوم سے مزین کیا گیا تھا۔

سامرہ کے متعلق عرض ہے - جسے خلیفہ المعتصم عباسی نے اوائل تیسری صدی ہجری میں بغداد کے قریب بنایا تھا - انمیں سے متوکل کی مسجد اور بہت نفیس منارہ تھا جو وہاں موجود ہیں - اس منارہ کو الملویہ کہتے تھے - اس مسجد کے اندر شیشے کے ستون تھے - جو اندرونی مسجد کو مزین کرتے تھے - اس میں نقوش اور رنگدار تصاویر تھیں - اور پچی کاری (فسیفسا) تھا۔

مقریزی نے مسجد فیلہ کے متعلق بیان کیا ہے کہ اُسے الافضل شاہنشاہ بن بدرالجمالی نے پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں بنایا تھا - اس کے قبلہ کی جانب نو قبے تھے اور

اس کے اوپر بیلوں دار افارے تھے جو دور سے ہاتھی معلوم ہوتے تھے۔ اس کے اندر عمدہ نقش و نگار تھے۔

اگر تلاش کیا جائے تو بیشمار مساجد ملیں گی۔ جو تاریخی حیثیت سے نقش و نگار کے ضمن میں بہت بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

پارچہ جات پر مصوری

اوپر کسی حد تک بیان ہو چکا ہے۔ کہ عربوں کے ہاں کپڑوں کے خاص نام زمانہ جاہلیت ہی سے ان کے خاص نقوش کی وجہ سے منفرد تھے۔ جو عام طور پر وہ لوگ استعمال کرتے تھے۔ ۲۰۸ھ میں صقلیہ (SICILY) جہاں مسلمانوں کی حکومت زیادۃ الدولۃ اغلب کی فتح سے شروع ہوتی ہے۔ وہاں ابھی تک بہت سے اسلامی آثار عتیقہ علاوہ عمارات کے مل جاتے ہیں۔ وہاں ایک عجائب خانہ ہے۔ جس میں خالص اسلامی اشیاء زیادہ تر قالین و ریشمی کپڑوں وغیرہ کی قسم کی رکھی ہوئی ہیں۔ جن پر جانوروں کے نقوش اور تصاویر ملتی ہیں۔ جن سے اس وقت کی عربی شان و شوکت مترشح ہوتی ہے۔ ان پر اساتذہ فن نے نہایت جانفشانی اور کمال دکھایا ہے۔ اور بعض میں ان کے اسماء بھی ثبت ہیں۔ چنانچہ بعض پر استاد عبدالعزیز کا نام ملتا ہے۔ جن کے کارخانے میں یہ اشیاء تیار ہوتی تھیں۔ اور بعض پر عربی عبارتیں "العز والنصر والاقبال" کے الفاظ بھی ملتے ہیں [۱]۔ اسی طرح کی سینکڑوں قدیم چیزیں یورپ کے تمام عجائب خانوں میں نظر آئیں گی خصوصیت سے وینس کے عجائب خانہ مشرقی اور وٹیکن میں یہ آثار کثرت سے ملتے ہیں۔ ان میں بعض مسلمان سپاہیوں کے لباس وغیرہ ہیں۔ ان کی آستینوں اور سینوں پر ابھی تک خون کے نشان

---

[۱] میگزین آف آرٹ سنہ ۱۹۰۶ء

موجود ہیں بعض پر یہ آیات ملتی ہیں "نصر من اللہ و فتح قریب" "و بشر المومنین"
صلاح الدین ایوبی کے زمانے کے جھنڈے ملتے ہیں۔ خطیب بغدادی نے اپنی کتاب
"تاریخ بغداد" میں خلیفہ المستنصر باللہ ۲۴۷ھ کے تحت میں بدائع من التصویر ایک
باب قائم کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ خلیفہ المستنصر مجلس میں بیٹھا تھا۔ اس نے حکم دیا۔ کہ دیباج
کا فرش بچھا دیا جائے۔ بعض میں بہت بڑے بڑے دائرے تھے۔ ان میں گھوڑوں کی
تصاویر تھیں۔ اور ان پر سوار تھے جن کے سروں پر تاج تھے۔ دائرہ کے گرد کچھ فارسی میں
لکھا تھا جب مستنصر اور اس کے ندما بیٹھے تھے۔ تو غلاموں اور بڑے بڑے لوگوں کے
چہرے آپ کی طرف متوجہ تھے۔ تو اس نے اس دائرہ کی طرف دیکھا جس کے گرد کچھ لکھا
ہوا تھا۔ تو اس نے وزیر سے دریافت کیا۔ کہ کیا لکھا ہے۔ اس نے عذر کیا۔ کہ میں نہیں جانتا۔
پھر اس نے حاضرین سے سوال کیا۔ مگر کسی نے پڑھنے سے وفا نہیں کی۔ پھر اس نے وصیف
کی طرف التفات کیا۔ اس کو کہا کہ کوئی آدمی لاؤ۔ جو اسے پڑھ دے۔ ایک شخص پیش کیا گیا۔
وہ اس تحریر کو پڑھ کر پریشان ہوا۔ مستنصر نے کہا یہ کیا۔ اس نے کہا اے امیر المومنین کوئی
ایرانی بیوقوف ہے۔ پھر اصرار کیا کہ مجھے مطلع کرو۔ پھر اس نے کہا کہ اے امیر المومنین
اس کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ اس پر وہ بہت جھنجھلایا اور غضبناک ہوا۔ اس نے کہا یہ لکھا ہے۔
کہ میں شیرویہ بن کسریٰ بن ہرمز ہوں۔ میں نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ پھر کہتا ہے
میں نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ پھر کہتا ہے۔ کہ میں نے محض چھ مہینے سلطنت کی
مستنصر کا چہرہ سن کر متغیر ہو گیا۔ مجلس سے اٹھ کر حرم میں چلا گیا۔ محض چھ مہینے سلطنت کی اور
اس کا انتقال ہفتہ کے روز ۵ شہر ربیع الاول ۲۴۸ھ میں ہوا۔ وہ لوگ تصویر کو بالکل

واقعات پر منطبق کر کے بناتے تھے۔ اور پھر اس پر تحریریں ثبت کرتے تھے۔ اس واقعہ
سے ہم یہ بھی استنباط کر سکتے ہیں۔ کہ ایرانی فن اس وقت عرب میں شیر و شکر ہو چکا تھا۔
مسعودی نے بھی اس قالین کا ذکر کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے۔ اس میں یزید بن الولید
بن عبد الملک وناہیک کی بھی تصویریں ہیں۔ اور مسعودی نے ایک اور ایسے قالین کی
تفصیل بہم پہنچائی ہے۔ جو ام المستعین کی ملک میں تھا جس میں ایسی مرصع صورتیں دکھائی گئی
تھیں۔ جس سے مسلمانوں کی زندگی کے واقعات وعادات کا پتہ[1] ملتا ہے۔

مذہبی تصاویر

سر آرنلڈ کا خیال ہے۔ کہ مسلمانوں نے در اصل کوئی مذہبی فن پیدا نہیں کیا۔ جو ان
کا اپنا مذہبی فن کہا جا سکے۔ اس کا خیال ہے۔ کہ ابتدا میں اس ضمن میں بہت کچھ غیر مسلم صناعوں
سے لیا گیا ہے۔ ہمیں اس نظریہ کے قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے۔ کیونکہ بہت جلد ہی
مسلمان اس قابل ہو گئے تھے۔ کہ وہ سب کام خود اپنے خاص طرز پر کر سکیں جس کو
دوسرے لوگ بغیر ہدایت کے ہرگز نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ مثالاً اوپر عرض کر چکا ہوں۔ کیونکہ
آرنلڈ نے فلورنس کی لارسٹین کے کتبخانہ کا نسخہ کتاب مقدس (انجیل) عربی کو پیش کیا ہے
جو ۱۲۹۹ء کا مکتوبہ ہے۔ اور عراق کے شمال مغرب میں تیار ہوا[2]۔ اس میں چھوٹی چھوٹی
سیاہ قلم میں تصاویر ہیں۔ جو کسی عمدگی فن کو پیش نہیں کرتیں۔ مگر اس کے برعکس مسیو بلوشے
رقمطراز ہے[3]۔ کہ آٹھویں صدی عیسوی تک لاطینی مخطوطوں میں جاندار یا انسانی نقوش
نظر نہیں آتے تھے۔ بلکہ کوئی ایسی تصویر بھی نہیں۔ جو کسی قسم کے متذکرہ ماحول کو ظاہر کرتی
ہو۔ ان قدیم زمانوں کے صناع نے مطلاً کار و مذہب کرنے والوں کی طرح دسویں صدی

---

[1] تاریخ ادب عربی جورجی زیدان صفحہ ۲۶۲ [2] اسلامک بک صفحہ ۱۲-۱۰ [3] مسلمان پینٹنگ از بلوشے۔

عیسوی کے آخر تک اپنے آپ کو زیبائش کی ترقی تک مطمئن رکھا جس کی تکمیل علم ہندسہ کے
خطوط میں کی جو جاندار مناظر کے اظہار سے بہت ہی آسان تھی۔ اس میں ان کو نتیجہ تک پہنچنے
کے لئے کم محنت درکار ہوتی تھی۔ اور یہ اس نتیجہ سے بہت ہی ارفع تھا۔ جو رومی اور بازنطینی
مصوری کے مکمل کام کی نقل کر کے پیدا کیا جاتا جس کو انہوں نے شروع کیا تھا اس روایت
کو جیسا کہ ہم انجیل چارلس ثانی میں زیبائش کو دیکھ سکتے ہیں۔ جو ابھی تک موجود تھی۔ اور دیر
تک محفوظ رہی۔ مسلمانوں نے اس وقت تک جاندار کا اظہار نقوش میں کرنے سے
اعراض کیا تھا یعنی متذکرہ بالا قرآن کریم کے مذہب و مطلا کار مسلمان ہی تھے۔ جنہوں نے
ابتدا میں خواہ کسی سے کام سیکھ کر ہی ان کاموں کو سنبھالا۔ جیسا کہ موسیو بلوشے کے بیان سے
واضح ہے۔ کہ عرب مطلا کار ضرور تھے۔ مگر سر آرنلڈ نے جس زمانے کا انجیل کا مخطوطہ فلورنس
میں پیش کیا ہے۔ اس سے قبل زمانہ کے خالص مسلمان صناع کے کام کے مخطوطے برآمد ہو چکے
ہیں۔ چنانچہ ۱۹۳۱ء کی نمائش ایرانی فن اوراق منافی کی کتاب الحیوان از مجموعہ مورگن کتبخانہ
اور اوراق شاہنامہ مسٹر بیٹی۔ مسٹر گوش کلکتہ وغیرہ وغیرہ سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ کہ مسلمانوں
کی ابھی تک یہ اشیا محفوظ ہیں۔ اگرچہ ان کو روح مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔
بعضوں نے آرنلڈ کے اس نظریہ کی تردید کی ہے۔ اور بہت سی امثلہ اس
کے برعکس اپنی تائید میں پیش کی ہیں۔ اور بعضوں نے اس مذہبی مصوری سے یہ تصور کیا
ہے۔ کہ محض مذہبی مضامین کو دخل دیا ہو۔ ان کی تسلی کے لئے عرض ہے کہ یہ ضرور نظر
آئے گا۔ کہ بعض نے ایسی تصاویر بنائیں۔ جو خالصاً ظاہری صورت میں مذہبی کہی جا سکتی ہیں
مگر غایت فن کے اعتبار سے ان کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں جس طرح دیگر مذاہب مثلاً

بدھ مت اور عیسائیت نے تصاویر سے[1] لیا ہے مسلمانوں کے ہاں کبھی ان کے گھروں یا مساجد میں کوئی ایسی تصویر نظر نہیں آئے گی۔ جو ان کے کسی مسئلہ مذہب یا کسی ایسے اصول مذہب پر روشنی ڈالے جس طرح اس کے برعکس دیگر مذاہب میں ملیگا۔ اور پھر وہ نقوش خواہ رنگ میں خواہ حجر میں باعث عبادت بھی ہوئے مسلمانوں نے مصوری کو محض ایرانی روایات کے ماتحت رومانیت وواقعیت اور شعریت کو مدنظر رکھ کر اختیار کیا جس کو مذہبیات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ مذہب سے کوسوں دور اور خالصًا جمالیاتی صورت ہے۔ اور اسی سے انہوں نے مصوّری کو تمثیلی قیود سے آزاد کر کے تخیلی صورت دی اور معنوی طور پر بعض حالات کے تحت تصاویر بھی بنائیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ بعض مذاہب کی تمام تعلیم ہی نقوش اور بت تراشی کے نمونوں میں ہی پنہاں ہے۔ اگر آج وہ مٹ جائیں تو ان کے مذہب کی تمام روایات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جو مذہب اسلام کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ ہماری تمام تعلیم ہماری کتب مقدسہ میں محفوظ ہے۔ جو اس قسم کے تصویری اظہار سے بلند وارفع ہے۔ اس کے متعلق مزید وضاحت سے بہزاد کے زمانہ کے تحت میں آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ تاریخی حیثیت سے ضرور چند الفاظ لکھے جائیں کہ مسلمان مصوّرین نے کہاں تک انبیا و رسل کی تصاویر اطالوی عیسائی مصوّرین کی طرح بنائیں۔ البتہ یہ ضرور ماننا پڑے گا۔ کہ جہاں تک تفہیم واقعات کا تعلق رہا ہے۔ وہاں ضرور اشکال و تصاویر سے کام لے کر بعض انبیا و رسل کو مصوّر بھی کیا گیا ہے۔ حضرت نوحؑ کا سفینہ حضرت موسیٰؑ کا عصا اور آپ کے اردگرد آل بنی اسرائیل حضرت عیسیٰؑ کا حمار پر سوار ہونا اور

---

[1] حال ہی میں مسٹر آنند نے ایک کتاب (HINDU VIEW OF ART) لکھی ہے۔ اس میں یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ بدھ مت کی تعلیم میں مصوری ممنوع ہے۔

آپ کے ہمراہ آپ کے بارہ حواری۔ جو انجیل کے واقعات سے تعلق رکھتی ہیں وغیرہ وغیرہ یہ عام ملتی ہیں۔ مگر کسی مسلمان مصوّر نے ان کو کم مصوّر کیا ہے۔ مگر بعض قدیم مخطوطوں میں جو اسلام کی خصوصیات سے تعلق رکھتے ہیں کم و بیش بعض مصوّرین سے ضرور جرأت سے کام لیا ہے۔ مثلاً آنحضرت صلعم کا بنی نضیر کے قلعہ کا محاصرہ کرنا۔ جبریل کا نمودار ہونا جو مخطوطوں میں ملتا ہے حجر اسود کا چادر مبارک میں اٹھانا جو جامع التواریخ میں ہے۔ ایک مصوّر نے حضور آنحضرت صلعم کو براق پر معراج کو جاتے ہوئے مصوّر کیا ہے۔ اور اس مصوّر نے حضور کے رُخ انور پر ایک کپڑا اوڑھا دیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصوّر حضور کے نور مبارک کی تاب نہیں لا سکا اور صحیح طور پر ظاہر کرنے میں بالکل ناکامیاب ہے۔ اور اس کے سامنے سوا اس کے کوئی چارہ نہیں تھا۔ اور اپنے عجز کا اظہار اس طرح کر دیا ہے۔ اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں کے سامنے تصاویر سے وہ ہرگز مقصد نہیں جو بدھ مت اور دیگر مذاہب کے سامنے رہا ہے۔ بلکہ مسلمان مصوّر اپنے ذہن میں اپنے واقعات کا صحیح اندازہ کرنے سے بھی قاصر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فطرۃً وہ اس کی غایت کی طرف مائل نہیں ہے۔

خلفا بنو عباس نے جب تدوین علوم کی طرف توجہ کی۔ تو دور دراز سے فضلاء، علماء، حکما و ماہرین فن کو دربار میں جگہ دی گئی۔ جنہوں نے علاوہ تصانیف کے اپنی کتب کو مناسب و ضروری نقوش سے آراستہ کیا۔ جو زیادہ تر جغرافیہ۔ طب، ادب، علم الہیئت، ہندسہ، علم القرأت اور موسیقی میں تھیں۔ لی بان نے تمدن عرب میں بیان کیا ہے۔ کہ عربوں کے ہاں تعلیم تصویر کے لئے مدارس تھے۔

مصوّری کا فلسفہ

علاؤالدین بن عبداللہ البہائی الغرولی الدمشقی متوفی ۸۱۵ھ نے اپنی کتاب مطالعہ البدور فی منازل السرور[1] میں حمام نافع کے تحت میں ان دیواری نقوش کے فلسفیانہ پہلو پر مفصل لکھا ہے۔ جو اس ضمن میں مشرق و مغرب میں پہلی تحریر معلوم ہوتی ہے۔

اس حمام کے اندر نہایت پرصنعت و حرفت اور نازک تصاویر مثلاً عاشق و معشوق باغ و گل، غنچہ، صفوف اسپ و دیگر وحوش کی ہوتی تھیں۔ اور علت اس کی یہ تھی۔ کہ اس قسم کی تصاویر سے بدن کے ہر سہ قوی حیوانیہ۔ بدنیہ۔ نفسانیہ کو بہت زیادہ تقویت حاصل ہوتی ہے۔ حکیم بدرالدین بن مظفر قاضی بعلبک اپنی کتاب مفرح النفس میں رقمطراز ہیں۔ کہ تمام اطباء حکماء و فضلائے عصر کا اتفاق ہے۔ کہ خوبصورت اور نازک صور کے دیکھنے سے نفس کو ایک گونہ فرحت و مسرت حاصل ہوتی ہے۔ ان کی وجہ سے امراض سوداویہ اور پریشان کن افکار دور ہو جاتے ہیں۔ ان افکار کے ازالہ کی وجہ سے قلب کو بہت زیادہ قوت حاصل ہوتی ہے حکما کا قول ہے۔ کہ اگر خوبصورت صور میں کسی وجہ سے زیر نظارگی نہ آسکیں۔ تو انسان کو چاہیئے۔ کہ پھر وہ ایسی ہیاکل صور دیکھے۔ جو خوبصورت فریم بڑے بڑے محلات میں آویزاں ہوتی ہیں۔

یہ رائے حکیم محمد بن زکریا رازی نے لکھی اور ذکر کی ہے حتیٰ کہ وہ اس شخص کیلئے جس کا قلب بیہودہ خیالات اور پریشان کن وساوس کا آماجگاہ بنا ہوا ہو۔ اس لئے یہ عمل یعنی نظارگی صور جمیلہ کو فرض و لازم قرار دیتے ہیں۔ وجہ یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اگر اشکال بتناسب مقدار کو ملحوظ رکھ کر دیدہ زیب رنگ مثلاً سرخ، سبز، زرد اور سفید کے ساتھ کسی تصویر کو کھینچا جائے۔ تو بالیقین اخلاط سوداویہ کے ازالہ میں نافع ہوں گی۔ اور وہ تمام ہموم و غموم جو ہر

[1] وائنا کتب خانہ نسخہ نمبر ۳۹۷

وقت اس پسطاری بہتے ہیں زائل کر دے گی۔ روح سے تمام کدورتوں کو نکال کر انبساط و خوشی کا سامان پیدا کریگی۔ اسی لیئے کہ جب نفس اس قسم کے صور حسینہ کو دیکھ کر بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ اس کی تمام کدورت رفع ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں۔ کہ جب حکمائے متقدمین نے حمام کو ترویج دی۔ تو انہوں نے اپنی صائب عقل سے یہ معلوم کرلیا۔ کہ انسان جب حمام میں داخل ہوتا ہے۔ تو اس کی قوت میں بہت کچھ کمی پیدا ہوجاتی ہے۔ لہذا انہوں نے اپنی عقل و حکمت سے استمداد کر کے اختراع کیا۔ کہ حماموں کے اندر بہترین صور حسین و شیریں و دیدہ زیب رنگوں میں منقش کی جائیں۔ تاکہ وہ قوت جو زائل ہوتی ہے۔ انہیں دیکھ کر عود کر آئے۔ ان تصاویر کی انہوں نے تین قسمیں کی ہیں۔ اس لئے کہ ارواح بدن تین قسم کی ہیں۔ حیوانیہ، نفسانیہ، طبیعیہ، لہذا انہوں نے ہر قسم کی جدا تصویر کو ایک الگ قوت کی تقویت کا سبب بتایا ہے۔ مثلاً قوت حیوانیہ کو زیادہ کرنے کے جنگ و قتال و شکار و حوش اور گھوڑوں کی دوڑ کے نقشے بنائے۔ نفسانیہ کی زیادتی کے لیئے وہ نقشے بنائے۔ جن سے عشق و تفکر کی معیت مستنبط ہوتی ہو۔ یا مثلاً عاشق و معشوق کے وصال یا فراق کی تصویر کھینچی ہو۔ اور قوت طبیعیہ کی زیادتی کے لئے باغ، گل، غنچہ، عمدہ عمدہ خوش منظر اشجار اور دیدہ زیب ایوان کی تصاویر بنائیں۔ یہ تمام اقسام تصاویر ایک عمدہ حمام کے لوازمات و اجزا میں قرار دیئے گئے۔

بعض نے اس خلوت خانہ میں یہ عجیب بات دیکھی۔ کہ اس کی چہار دیواری اس طرح صیقل شدہ اور چمکیلی تھی۔ کہ اس میں اور آئینہ ہائے نسوانی[1] میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔ انسان جس طرح کی دیوار میں چاہے اپنے تمام بدن کو دیکھ سکتا تھا۔ نیز میں نے دیکھا کہ اس کا فرش

[1] آئینہ نسوانی عربوں کے نزدیک بطور ضرب المثل کے مشہور ہے۔ کیونکہ عورتیں اپنی ٹیپ ٹاپ کو ٹھیک رکھنے کیلئے ہر وقت پاس رکھتیں جس کی وجہ سے یہ عام مشہور ہوگیا۔ یا ممکن ہے کچھ اور مطلب ہو۔

مذہب تھا۔ اس میں سرخ، زرد، سبز رنگ کے نگینے جو تمام بلور کے بنے ہوئے تھے جڑے تھے۔ ان کے متعلق مشہور ہے۔ کہ یہ ایک قسم کا پتھر تھا۔ جو روم سے آتا تھا۔ مذہب کی یہ صورت ہوتی تھی۔ کہ وہ ایک قسم کا شیشہ ہوتا تھا۔ جس پر آب زر سے نہایت عمدہ دلکش تصاویر کھینچی جاتی تھیں۔ اس کے بعد رافعی کا قول نقل کر کے استنباط کیا ہے۔ کہ اگر تصویر وغیرہ رہگذر یا حمام میں ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اگر مجلس میں ہوں جہاں وہ عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ تو وہاں داخل ہونا حرام یا مکروہ ہے۔

مجسّمہ سازی

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ ابتدا سے ہی پرستش کے لئے مختلف بتوں کے مجسمے تیار کئے جاتے تھے۔ تاکہ ان کی عبادت کی جائے۔ اور آج اس کی تصدیق کیلئے بیشمار انکشافات ہو چکے ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہ عرب لوگ ان اصنام کے بہت مانوس تھے۔ کیونکہ قدیم عربوں نے اصنام کو کعبہ پر قائم کئے تھے جنہیں آنحضرت صلعم نے آکر نہ محض ان اصنام کے رکھنے سے منع کیا۔ بلکہ ان کو ضائع کیا۔ اور توڑ دیا۔ اور جب اصنام کی عبادت کا خوف جاتا رہا۔ تو بعض ماہرین فن نے پھر اس طرف توجہ کی چنانچہ جب ابو جعفر منصور عباسی نے بغداد کی بنیاد رکھی۔ اور مدور شہر بنایا جس کے درمیان میں جامع مسجد بنائی۔ محل کے اوپر ایک قبہ خضرا بنایا جو اسی گز بلند تھا۔ اس گنبد کی چوٹی پر ایک گھڑ سوار کا مجسمہ تھا جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ نیزہ ہوا کے ساتھ پھرتا۔ اس گنبد کو تاج البلد اور علم بغداد کہتے تھے۔

یاقوت حموی نے خلیفہ مقتدر باللہ کے مکان "دار الشجرہ" کے متعلق لکھا ہے۔ کہ

اس میں وسیع باغات تھے۔ وہاں ایک شجر سونے اور چاندی کا تھا۔ اور اس کی اٹھارہ شاخیں تھیں۔ ہر شاخ کے سروں پر مختلف انواع جواہر پھلوں کی شکل میں تھے۔ اور شاخوں پر مختلف انواع پرندے سونے چاندی کے تھے۔ جب ہوا چلتی تھی۔ تو مختلف قسم کی آوازوں سے بولتے تھے۔ مکان کی طرف بائیں جانب حوض کے پندرہ گھوڑسواروں کے مجسمے تھے۔ اور اس کے مثل بائیں جانب حوض کے تھے۔ یہ مختلف انواع ریشم میں ملبوس تھے۔ تلواریں لٹکائے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں عطارد تھے۔ ایک ہی رُخ پر حرکت کرتے تھے۔ ہر ایک ان میں سے خیال کیا جاتا تھا۔ کہ اپنے مالک کی طرف قاصد کی حیثیت رکھتا ہے۔

السری الرفا متوفی ۳۶۶ھ نے ایک منارہ کی شان میں کہا جس پر مجسمے تھے۔

ابوالفرج البغا المتوفی ۳۹۸ھ نے ایک درندہ کی تعریف میں کہا جو ایک تیر میں کندہ کیا گیا تھا۔

ناصر نے زہرا کیلئے اندلس میں ایک سنگ کا منقش حوض شام سے منگوایا۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ قسطنطنیہ سے اس میں نقوش اور مجسمے انسان کی صورت کے تھے۔ اس کی قدر و قیمت بیان نہیں ہوسکتی۔ جب اس کو نصب کیا۔ تو بارہ سونے کی مرصع مجسموں پر اعلیٰ النفیس موتیوں سے مرصع مجسموں پر نصب کیا گیا۔ کچھ دارالصناعۃ قرطبہ میں ہوا۔ شیر کی صورت کو غزال کی جانب رکھا۔ اور اس کی جانب مگرمچھ تھا۔ ان دونوں کے مقابل سانپ اور عقاب، کبوتر، شاہین طاؤس، مرغی، مرغہ، چیل اور گدھے تھے۔

مقریزی نے بازار حلاوین کے ذکر میں لکھا ہے۔ کہ میں نے ایک مرتبہ ایک طبق دیکھا جس میں میوے تھے چند مٹی اور کچھ سُرخ چینی کے برتن تھے۔ کسی میں دودھ اور بعض

میں مختلف انواع پنیر تھا۔ اور ان برتنوں میں پھلوں میں سے کھیرے اور کیلے تھے۔ اور تمام کے تمام عام طور پر شکر کے بنائے گئے تھے۔ مقریزی کہتا ہے۔ اسی طرح ایسی اقسام کی چیزیں ہیں جن کے حسن سے دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ ماہ رجب کے موسم میں یہ بازار بہت ہی عمدہ اشیاء کا منظر ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ لوگ شکر سے مثلاً گھوڑے اور درندے۔ بلّی کے بچے وغیرہ بناتے تھے۔ جن کا نام علالیق رکھا گیا تھا۔ دکانوں پر دھاگے سے لٹکاتے تھے۔ اور اس کا وزن اسّی رطل سے لیکر چار رطل تک ہوتا تھا۔ بچوں کے لئے خریدے جاتے تھے۔ کوئی غریب و امیر نہیں رہتا تھا۔ جو اپنی اولاد کے لئے نہ خریدتا ہو۔ دونوں مصر و قاہرہ کے بازار ایسی اشیاء سے بھرے ہوتے تھے۔

مگر اس کے علاوہ یہ نہایت دلچسپ واقعہ بلاذری نے بیان کیا ہے۔ کہ محمد بن قاسم کے سپاہیوں میں سے بنی کلاب کے کسی فرد نے داہر راجہ ملتان کو قتل کیا۔ تو ان دونوں کو بروص میں اسی حالت میں مصور کیا گیا۔ اور بدیل بن طہفہ کو قند میں مصوّر کیا۔ جب محمد بن قاسم کا انتقال ہوا۔ تو اہل ہند روئے اور کیرج میں آپ کا مجسمہ[1] بنایا۔

شبیہہ کشی

شبیہہ کشی کے ضمن میں اوپر بیشمار مثالیں گذر چکی ہیں۔ کہ ابتدا ہی میں سکوں، ظروف محلات کی دیواروں پر بعض خلفاء و سلاطین کی شبیہات بنائی گئیں۔ مگر یہ وہ زمانہ تھا جبکہ شبیہہ کشی بت پرستی کی قیود سے آزاد ہو چکی تھی۔ اور اس سے دیگر اغراض وابستہ تھیں بعض اوقات سکہ جاری کر کے خلیفہ یا سلطان کی حیات کا ثبوت اور سلطنت کے طول و عرض میں تشبیہہ صورت خلیفہ یا سلطان ہوتی تھی۔ یا اس سکہ کو موثق بنانے کا ذریعہ ذہن میں ہوتا تھا۔ اکثر خلفاء و

[1] فتوح البلدان مصری ص ۴۴۴ - ۴۴۶

سلاطین نے اعلیٰ کارناموں کے صلے میں تمغوں کو رواج دیا۔ جن پر خود کی تصاویر ہوتی تھیں
تاریخ کی ورق گردانی عجیب و غریب واقعات شبیہ کشی سے متعلق پیش کریگی۔ مسعودی کا بیان ہے۔
کہ اس نے اسطخر میں ۳۰۳ھ میں ایک مخطوطہ دیکھا جس میں ستائیس ساسانی بادشاہوں کی تصاویر
تھیں۔ جو کاغذ یا کپڑے پر تھیں۔ اس کا ذکر حمزہ اصفہانی متوفی قریب ۳۶۰ھ نے اپنی کتاب
سنین ملوک الارض میں ساسانی بادشاہوں کے تحت میں کیا ہے۔ اور اس کی مفصل کیفیت
بھی وہی ہے۔ لیکن اس شبیہ کشی کے ذریعہ بعض اوقات تاریخ اسلامی میں محکمہ جاسوسی میں بھی کام
لیا گیا ہے۔ چنانچہ محمود غزنوی (۳۸۸-۴۲۱ھ) کے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصوری بالخصوص
شبیہ کشی اعلیٰ معیار پر تھی۔ مشہور فلسفی اور حکیم ابو علی سینا محمود غزنوی کی ملازمت کو منظور نہیں کرتا تھا
بلکہ گورگاں بھاگ گیا تھا۔ سلطان نے اس کے مکان و محل کا پتہ لگانے کی غرض سے مصور ابو
نصر ابن عراق ریاضی داں اور منجم کو ابن سینا کی شبیہ بنانے کی غرض سے مقرر کیا۔ کہ اس کی
تصاویر کو کاغذ پر بنا کر گرد و نواح میں منتشر کیا جائے۔ جو اس کو اس کے مطابق دیکھ پائے مطلع کرے۔

اسی طرح سے بیشمار مثالیں تلاش سے مل سکتی ہیں۔ چنانچہ مارٹن[1] نے اپنی کتاب
میں صلاح الدین ایوبی کی ایک تصویر دی ہے۔ جو غالباً معاصرانہ حیثیت رکھتی ہے۔ مصور
نے سلطان کو سنہری تخت پر دکھایا ہے۔ لباس سرخ۔ سر پہ عمامہ سیاہی مائل ہے۔ چار زانو
ہو کر بیٹھا ہے۔ آستینوں پہ حاشیہ ہے۔ جسے طراز کہا جاتا ہے۔ سلطان کے سر کے گرد ایک
سنہری ہالہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ رسم متقدمین سے چلی آتی ہے۔ کہ بادشاہوں کو
یہ خصوصیت دی جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اَلسلطان ظِلُّ اللّٰہ کا خطوط میں اظہار
ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قدرت کی تجلیات و انوار نازل ہوتی تھیں۔ اگرچہ قدیم

---

[1] کتابی مصوری۔ ایرانی۔ ترکی ہندی۔ اول صفحہ۔

تصاویر حضرت مسیح میں بھی یہ ہالہ ملتا ہے۔ مگر یہ تصویر اپنی نوعیت میں اوّل ہے۔ جس میں کسی
مسلمان مصوّر نے یہ ہالہ دکھایا ہے۔ حالانکہ چینی مصوّرین یا قدیم ایرانی مصوّرین نے ہالہ کی
بجائے شعلہ نما بادل کے ٹکڑے سے دکھلائے ہیں۔ اور بعد میں سب نے اس ہالہ کی تقلید کی ہے
اس سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ واقعی صلاح الدین کی اصل تصویر ہے۔ مسٹر مارٹن نے اس تصویر
کے ساتھ مراقش کے ایک حال ہی کے بزرگ ملا حفیظ کی تصویر بھی محض مقابلہ کی غرض سے دی
ہے۔ جس سے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ باوجود ان دونوں تصاویر میں آٹھ سو سال کا فاصلہ ہونے
کے بھی اور مراقش و عرب کے مابین بحیرہ روم حائل ہونے کے بھی اپنے ظاہری لباس اطوار
میں ایسی معلوم ہوتی ہے۔ کہ دونوں کو مصوّر نے ایک ہی وقت میں بنایا ہے۔ لیکن میرے
نقطۂ نگاہ سے یہ ہے۔ کہ ابھی تک ہماری بود و باش انہیں روایات پر قائم ہے۔ سلطان صلاح
الدین ایوبی کی اور تصاویر بھی ملتی ہیں لیکن وہ اصلی نہیں ہیں۔ اس تصویر سے سلاطین کا سریر سلطنت
پر بیٹھنے کا طریق بھی معلوم ہوتا ہے۔ بعض دفعہ بعض ساسانی سلاطین بھی بعض نقوش میں اسی
طرح نظر آتے ہیں۔ مگر یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ عربی صناعوں پر ایرانی اور بازنطینی اثر ہوا۔ اور عربوں
نے جو کچھ پیدا کیا وہ خالصتاً جدت لئے ہوئے ان سے متاثر تھا۔ ان کی قوت مدرکہ کو بالکل
مفقود ہی نہ سمجھنا چاہیئے۔ جتنے وہ جنگجو تھے۔ اتنے ہی فنون میں بھی ماہر تھے۔ جیسا کہ انہوں نے
اپنی بہادری سے دنیا پر تسلط حاصل کیا تھا۔ اسی طرح انہوں نے فنون میں بھی سبقت پائی
تھی۔ اس کے لئے کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کہ شواہد تلاش کئے جائیں۔ اسے محض نقادانِ
فن ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔ خاص کر صلاح الدین کی اس تصویر میں کس قدر اعلیٰ معیار شبیہ نگاری
ہے۔ پھر یہ بھی ہے۔ کہ مشرقی مصوّر آج کل کے یورپین مصوّرین کی طرح نہیں کرتے تھے۔ کہ

گھنٹوں روزانہ اپنے پیش نظر ایک شخص کو بٹھا کر تصویر بنائی جائے۔ وہ اپنی یادداشت کی بنا پر اس کا خاکہ خطوں میں اتارتے تھے جن میں وہ جذبات و کیفیات و عادات مصورشدہ شخص کے پنہاں کر دیتے تھے۔ کیونکہ وہ اُسے اسی نگاہ سے خط لگاتے وقت دیکھتے تھے جس طرح وہ ان سے اپنی روزانہ زندگی میں پیش آتا تھا۔ اور یہی بڑی خصوصیت مشرقی فن کی ہے جسے آج تک یورپ پیدا نہیں کر سکا۔ اگر کسی سلطان کی تصویر بنائی جائے۔ تو اُسے یہی کرنا چاہیئے۔ کہ اس کے خدوخال کو قلمبند کر کے اس کے اصلی جذبات و حیات کو ظاہر کیا جائے جو اس پہ ہر وقت اپنا اثر رکھتے ہیں۔ اور اس کے چہرے سے مترشح ہوتے ہیں۔ جس سے اس کی اصلی حقیقت کا پتہ چل سکے۔ اور یہی ایک مصوری کا مقصد وحید ہے۔ جس سے بعض ماہرین تصاویر یا علم النفس شبیہہ کو دیکھ کر لوگوں کی عادات و مزاج کا پتہ لگا دیتے ہیں جو اکثر اوقات ٹھیک ہوتا ہے۔ اس لئے مصور نہایت ہی کامیاب ہے۔ کہ اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی تصویر کو ایسی حالت میں بنایا ہے۔ اور یہ بات ظاہر کرتی ہے۔ کہ مشرقی تصاویر بہ نسبت مغربی تصاویر کے زیادہ جامع اور مانع ہوتی ہیں۔ تاہم یہ تصویر اپنے آپ میں ایک وسیع تخیل رکھتی ہے۔ حالانکہ مصور نے چند لمحات میں نہایت استغراق کی حالت میں بنائی ہے

لیکن مسلمان قریب زوال دولت عباسیہ اپنے ہاں خاص اسلامی طرز فنون پیدا کر چکے تھے۔ جن کو اسلامی کہا جاتا ہے۔ اور ان میں کسی قسم کا بازنطینی یا چینی اثر وغیرہ نہیں رہا۔ یہ بات نہایت وضاحت سے ۱۹۳۱ء کی نمائش فنون ایران لنڈن نے قائم کر دی ہے بلکہ بہت سے مندکرہ بالا ایشیائی فنون کے دیکھنے سے بھی یہ بات واضح نظر آتی ہے۔

کتابی مصوری

کاغذ کی ایجاد

مجھے برٹش موزیم میں ایک ہندوستانی مسٹر گورڈن جو ۲۰ سال سے برسٹل میں مقیم ہیں۔ ملنے کا اتفاق ہؤا۔ وہ کاغذ کی تاریخ لکھ رہا ہے۔ اس کا خیال ہے۔ کہ عرب میں قبل بعثت آنحضرت صلعم کاغذ موجود تھا۔ جب میں نے اس کے سامنے قرآن کریم کی آیت پیش کی جس میں لفظ قرطاس آتا ہے۔ اور پھر احادیث بھی بتائیں۔ تو اس نے ان کو سن کر مجھے بعض نمونے دکھائے۔ علاوہ ازیں یہ امر تاریخ میں آ چکا ہے۔ کہ اوّلاً کاغذ کی ابتداء چین میں ہوئی۔ اور وہیں سے گرد و نواح کے شہروں میں لایا گیا۔ اور یہ بھی علم ہے۔ کہ ظہور اسلام کے وقت سمرقند میں بنتا تھا۔ جب عربی امیر زیاد بن صالح نے سمرقند کو ۸۵ھ میں فتح کیا۔ تو اس لڑائی میں بہت سے چینی قیدی بھی ہاتھ آئے ان میں سے بعض کاغذ بنانا جانتے تھے۔ یوسف بن عمرو عرب نے ان سے کاغذ بنانے کا طریقہ سیکھا اور مکہ معظمہ میں آکر اور لوگوں کو بھی سکھایا۔ تو کاغذ مکہ میں آکر قرطاس کہلایا۔ اور ۸۰ھ میں مکہ میں پہلی مرتبہ کاغذ تیار ہؤا اور مسوّدات ان پر لکھے گئے جو آج تک محفوظ ہیں [1]

سلسلۂ کتابت

یہ یاد رہے۔ کہ اسلام میں تدوین علوم و فنون ابتدا سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ بلکہ قبل اسلام ہی عرب میں یہ سلسلہ تھا۔ کیونکہ ہمیں بصرہ اور حجاز جیسے آباد شہروں سے اس کی بعض شہادتیں ملتی ہیں حمیروں نے اپنے حالات میں بہت سی کتب تدوین کیں۔ جو پتھروں پر منقش

[1] تاریخ ادب عرب جورجی زیدان صفحہ ۲۶۲ و اورینٹل کالج میگزین مضمون ڈاکٹر عنایت اللہ۔

تھیں۔ اور بیان ملتا ہے۔ کہ جب سوید الصامت آنحضرت صلعم سے ملے۔ تو ان کے ہمراہ لقمان کا مجلہ تھا۔ یعنی وہ صحیفہ جس میں لقمان کی حکیمانہ باتیں درج تھیں جب اسلام آیا تو سب سے پہلے قرآن کریم کو خالد بن ابی الھیاج نے لکھا۔ اور آپ ہی عمدہ خط سے متصف تھے۔ ابن ندیم کا بیان ہے۔ کہ میں نے اس مصحف کو دیکھا ہے[1]

غرضکہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں بیشمار پڑھے لکھے صحابہ کرام موجود تھے۔ جن کی بدولت تدوین علم حدیث اور جمع قرآن کیطرف توجہ ہوئی۔ حال ہی میں پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال نے سفر ایران کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ انہوں نے بیشمار کتب بیشمار کتب خانوں میں دیکھیں ان میں قابل ذکر قرآن کریم کے نسخے ہیں مشہد میں کتاب خانہ رضوی میں قرآن خط کوفی میں سورہ ہود سے آخر سورہ کہف تک جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ کا نوشتہ ہے۔ اخیر صفحہ پر کتبہ علی بن ابی طالب درج ہے۔ چمڑے پر لکھا ہے۔ ایک اور نسخہ بخط کوفی حضرت امام حسن کا لکھا ہوا بتلایا جاتا ہے۔ اور اس کے آخر میں کتبہ حسن بن علی بن ابی طالب فی سنہ احدی و اربعین" درج ہے۔ اور چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔ اور ایک اور نسخہ امام زین العابدین کا لکھا ہوا بتایا جاتا ہے[2]

یعنی اگر تلاش کیا جائے۔ تو بیشمار مواد دستیاب ہو سکتا ہے۔ غرضکہ ابتدا سے ہی تدوین کی طرف توجہ تھی۔

کاتبان قرآن

ابن ندیم نے جہاں ابتدائی اسماء الکتاب المصاحف شریف بیان کئے ہیں۔ وہاں اسماء المذہبین للمصاحف شریف بھی دیئے ہیں۔ جن کا کام محض قرآن کے اوراق کی مطلاء

---

[1] ابن ندیم صہ ۹ مطبوعہ مصر [2] اورنٹیل کالج میگزین نومبر ۲۵ء صہ ۱۰۲

کاری کرنا تھا۔ تذہیب نگاری و نورافشانی مسلمانوں کے خاص فن شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً الیقطینی
ابراہیم الصغیر، ابوموسیٰ بن عمار، السقطی، محمد بن محمد، ابوعبداللہ الخزاعی اور اس کا لڑکا۔ یہ وہ اسماء
ہیں جو ابن ندیم متوفی ۳۷۷ھ تک مشاہیر میں سے تھے[53] ان کے بعض نمونے اب تک
مصر، قسطنطنیہ، ویانا اور یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ جو مسلمانوں کے خاص
ملکہ نقاشی کا پتہ دیتے ہیں۔ مسلمان صناع اس کام سے روزی کماتے تھے۔ وہ حافظ قرآن ہوتے
تھے۔ اور اسی کو لکھنا مطلا کرنا توشۂ آخرت تصور کرتے تھے۔ اور اپنے دل و دماغ سے اس
کی تزئین میں حصہ لیتے تھے۔ یہ فن مسلمانوں میں اخیر تک ہر اسلامی سلطنت میں نہایت شان
و شوکت پر رہا ہے۔

مانوی

ایران کی جد و جہد کو مدنظر رکھ کر اور ایرانی کتابی تصاویر کی طرف توجہ کریں۔ تو پہلے
مانی کے مذہب پر ضرور روشنی ڈالنی چاہیئے۔ جس نے ایران کی ذہنیات پر ایک عرصہ
تک تسلط رکھا تھا۔ آرنلڈ کی مساعی جمیلہ سے ایک قدیم مخطوطہ سنہ ۹۰۰۔۶۰۰ھ متعلقہ مذہب مانی
کے چند اوراق ایڈن برا یونیورسٹی سے پتہ لگا ہے۔ اور ان سے کاغذ پر تصاویر کا قدیم
ترین ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لی قوق کا خیال ہے۔ کہ قریب قریب تمام اسلامی کتابی
مصوری کی بنا مانوی مذہب کی کتابی تصاویر پر ہے۔ اور آگے چل کر کہتا ہے۔ اگر کوئی
مقابلہ ممکن ہو سکتا ہے۔ تو مجھے کتابی مصوری اور دیواری مصوری بدھ مت اور ایرانی مانوی دبستان
وسط ایشیا کی طرف توجہ دلانی چاہیئے۔ جو بلا شک و شبہ اس کتابت سے بالکل مختلف ہے۔ جو
ان کی تھی۔ ان فنون کو غالباً مصر میں لایا گیا۔ یہ نظریہ قائم نہیں ہو سکتا۔[54]

---

[53] ابن ندیم ص ۱۱۶ [54] اسلامک بک ص ۲-۱۲

اس ضمن میں پروفیسر گروہ مان ایک تجویز پیش کرتا ہے۔ کہ مانوی دبستان مصوری کا زبردست اثر یقینی طور پر قدیم اسلامی نمونہ جات مصوری سے واضح ہے۔ اگرچہ وہ زوال پذیر ہے میں اس قدر دور نہیں جاتا جس قدر کہ لی قاق گیا ہے۔ کہ مانوی دبستان مصوری اسلامی کتابی مصوری کی بنیاد ہے۔ کیونکہ اوائل زمانہ کے مسلم مصور یا نقاش زیادہ تر فلسطین اور عراق کے مابین نظر آتے ہیں کسی حد تک ان کے طریق فن سے مانوی طرز ضرور مترشح ہے۔ جس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے۔ کہ مانوی دبستان مصوری سے مسلمان مصورین باخبر ضرور تھے۔ مگر میرا خیال ہے۔ کہ ہر ملک کے طریق فن کو بغور دیکھیں۔ تو ان میں ضرور بعض بعض ایسے نکات نظر آئینگے۔ جو دوسرے میں پائے جائیں گے۔ اس سے کسی فن کا دوسرے فن پر اثر وغیرہ ثابت کرنا عقل پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ ہر ملک کا فن یا طریق فن اپنے خاص طرز اور ماحول پر مبنی ہے۔

طب

علوم طبعیات میں دیکھا جائے تو سب سے پہلے حنین بن اسحاق متوفی ۲۹۸ھ کی کتاب العین کا پتہ ملتا ہے۔ جس نے آنکھ کی پتلی کی تصویر اپنی کتاب میں ایسی خوبصورتی سے کھینچی کہ آج کل کے ڈاکٹر بھی اپنی کتاب میں ایسا صحیح اور واضح نقشہ کھینچنے سے قاصر ہیں۔ اس کا ایک عمدہ مخطوطہ ابھی تک ملتا ہے۔ جو ایک مجموعہ تو کتب امراض عین پر مشتمل ہے۔ اور اس میں حرکات عین، عضلات و رطوبات کو اشکال میں واضح کیا گیا ہے عیون الانبار میں رشید الدین ابن الصوری کی نادر تصنیف کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی تیاری میں مؤلف خود ان مقامات پر گیا ہے۔ جہاں پودے اُگتے تھے اور ساتھ ایک مصور ہوتا تھا۔ پودے کے رنگ پھول پھل۔ پتیوں کی تعداد شاخوں کی حالت کو دیکھ کر کاغذ پر کھینچا جاتا تھا۔ اور مختلف اوقات پر

مختلف حالتوں کی تصویریں لی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ پودے کا نشوونما ہو جاتا تھا۔ میونک جرمنی کی اسلامی نمائش منعقدہ ۱۹۱۴ء میں ایک ورق از کتاب طب آیا جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں لیکن مصور کا نام عبداللہ بن الفضل مورخہ ۶۱۹ھ لکھا ہے۔ اس کا ایک ایسا ہی نسخہ ترکی زبان میں کتبخانہ تیموریہ میں محفوظ ہے جس کا نام کتاب الافرادین والمفردات الطبیہ ہے۔ اور یہ نسخہ بارہویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں ایسی ہی ادویات و نباتات وغیرہ کی تصاویر رنگ وغیرہ میں بنائی ہوئی ہیں۔ بلکہ ان میں دواؤں کا تیار کرنا عرق نکالنا خوب نمایاں کیا ہے۔ ابوبکر رازی مشہور کیمیاگر کی تصنیفات ملتی ہیں جن میں رازی کو اس کے معمل میں تجربوں میں مصروف دکھایا گیا ہے۔ قاہرہ کے دارالآثار میں ایک برتن ہے جس پر پرندوں وغیرہ کے نقوش اور اس کے بنانے والے کا نام محمد بن فضل اللہ ہے۔

کتب الحربیہ

بعض کتب جو فن حرب یا واقعات جنگ پر لکھی گئی ہیں۔ ان کو بھی مصور کیا گیا ہے۔ ان میں نہایت وضاحت سے میدان جنگ کو معہ حرکات افواج دکھایا گیا ہے۔ ایک نسخہ کتاب الانیق فی المجانیق ہے۔ یہ ۸۶۷ھ میں تیار ہوا۔ اس میں مختلف صورتیں مجانیق اور ان کے اجزاء کی ہیں۔ قلعوں کی صورتیں جن پر مجانیق کا قائم کرنا ظاہر کیا گیا ہے۔ اس میں قریب پانچ سو اشکال ایک سو نو صفحات پر ہیں۔ اور یہ نسخہ زکی پاشا کے مجموعہ میں ہے۔ اسی طرح ایک اور نسخہ کتاب الجہاد الفروسیہ وفنون الآداب الحربیہ جو آٹھویں صدی میں تالیف ہوا۔ اس میں بعض ایسے بھی نقشے ہیں۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں ۷۵۰ھ میں بیان کیا ہے۔ کہ امیر المومنین ابوعنان سلطان مراکش نے جبل الفتح یعنی جبل طارق کی شکل بنانے

کے لیے حکم دیا۔ کہ اس کے مثل فصیل و بروج، دروازے، مکانات، مساجد، زراعت صورت جبل جو قصر بہ حمراء کے متصل ہے۔ ملحوظ رکھے جائیں۔ یہ کل عجیب و غریب تھی جس نے اس جبل کو دیکھا ہے۔ وہ فوراً اس کا صحیح اندازہ کر سکتا تھا۔

قراۃ

علم القراۃ میں کئی کتابیں مصور تیار ہوئیں جن میں حروف کے مخارج کو ظاہر کرنے کے لیے حلق۔ منہ اور زبان کی تصویریں بنائی گئی ہیں۔ اور بعض میں پورا چہرہ بھی دکھایا گیا ہے جو آج یورپ میں علم الصوت کے نام سے رائج ہے۔ اور اہم تصور کیا گیا ہے۔

ریاضی

امام ابوالحسان نیشاپوری کی کتاب "علم الاصطرلاب" کا حصہ اول ۵۲۲ھ تیار کردہ احمد البیہقی جن میں ایک سو تین شکلیں ہیں میں نے اسے دیکھا ہے۔ اور یہ ایرانی نمائش لنڈن ۱۹۳۱ء میں آئی تھی۔ اس سے ایک امر پر ضرور روشنی پڑتی ہے۔ کہ احمد البیہقی علاوہ واقفت حساب اسطرلاب کی شکلوں کو صحیح کھینچنے کی بھی مہارت رکھتا تھا۔ جو بہت ہی صاف اور عمدگی سے تیار ہوئی ہیں۔ یہ نسخہ چسٹر بیٹی کے مجموعہ میں ہے۔[۱]

اسی طرح عطارد بن محمد الحاسب کا رسالہ منافع الاحجار جو ۴۱۷ھ کا تیار شدہ ہے۔ یہ بھی لنڈن کی نمائش میں ۱۹۳۱ء میں آیا۔ اور یہ گذر بمبئی نے ارسال کیا تھا۔ ابن ندیم نے اپنی فہرست میں عطارد کی دیگر تصانیف کو لکھا ہے۔ مگر اسے درج نہیں کیا یعنی بالکل نئی چیز تھی۔ اس میں بہت سی شکلیں بنائی ہوتی ہیں۔ عطارد بہت بڑا ریاضی دان تھا۔[۲]

---

۱ پرشین مینا چور ص۱۸   ۲ ابن ندیم ص۳۸۲ مصری و پرشین مینا چور ص۲۴

جغرافیہ

جغرافیہ میں سب سے پہلی کتاب الاقالیم از ابو اسحاق فارسی اصطخری متوفی ۳۰۹ھ کی ہے جس میں نقشہ جات ممالک بھی دیئے گئے۔ جو اس کی دوسری جلد سے عیاں ہیں بلوریسی نے بھی اپنے جغرافیہ کو دنیا کے نقشہ سے مزین کیا۔ مقدسی متوفی ۵۰۷ھ کی احسن التقاسیم اسی طرح تیار ہوئی تھی۔ کہ ہر ملک کے شہر اور قصبات مع ان کے حدود کے علیحدہ علیحدہ دکھائے گئے تھے۔ راستے سُرخ خطوط سے۔ ریگستان زرد رنگ۔ سمندر سبز رنگ سے دریا نیلگوں اور پہاڑ سیاہ رنگ سے نمایاں کئے گئے تھے۔ بعد میں معجم البلدان از یاقوت حموی و آثار البلاد از قزوینی جیسی کتب بھی جغرافیہ عالم میں لکھی گئیں۔ اور ان کو نقشہ جات دنیا سے مزین کیا گیا[1]

نجوم

محمد بن موسیٰ المعروف بہ خوارزمی جو مامون کا درباری منجم تھا۔ اس کی کتب میں نجوم کی تصاویر تھیں۔ ایک رسالہ علم نجوم میں ملتا ہے۔ جسے نصیر الدین محمد نے تیار کر کے سلطان غیاث الدین کیخسرو (۶۶-۸۲ھ) کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

جرِ ثقیل

علم جرِ ثقیل میں بعض مصنفین نے محسوس کیا۔ کہ اپنی تصنیفات کو مصور کیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے ان نقشہ جات کو مفہوم مطالب کیلئے تفہیم کا ذریعہ سمجھ لیا تھا جس سے انہوں نے مدنی۔ جزری کی کتاب فی معرفتہ الجیل الھندسہ جو سنٹ صوفیہ قسطنطنیہ کے کتبخانہ میں ہے[2] اس کے چند اوراق پریشان بدقسمتی سے بوسٹن (امریکہ) کے موزیم میں بھی چلے گئے ہیں جو غالباً

---

[1] تمدن عرب۔ جرجی زیدان تاریخ ادب عربیہ [2] فہرست کتبخانہ ۳۶۰۶

۶۸۰ھ میں سلطان محمود کے لیے لکھی گئی تھی۔ جس میں ان اوراق سے کسی خاص تاریخ
وغیرہ کا پتہ نہیں چلتا سوا اس کے کہ ان پر الملک الصالح الاملی الدنیا والدین لکھا ہوا ملتا ہے۔
جس سے سلطان محمود کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک اور نسخہ مرقومہ ۶۹۲ھ کا منقول
ملتا ہے۔ اگرچہ قسطنطنیہ کا مصور نسخہ جسے مصنف نے سلطان کے لئے تیار کیا تھا۔ اس میں
خاص قابلیت کو بلحوظ رکھا گیا ہے۔ ظاہر کرتا ہے۔ کہ جزری کی کتاب جو پانچ حصوں پر مشتمل
ہے۔ اس کے اول حصہ میں دس گھڑیوں کا ذکر ہے جس میں اول کا نقشہ بیان دیا گیا ہے
جو ایک آبی گھڑی کہلاتی ہے۔ اور یہ اپنے سلسلہ میں اول ہے۔ جس کی جرثقیل کے متعلق
بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ایک محل محراب دار دکھایا گیا ہے جس میں بارہ
برجوں کے نشان دیئے گئے ہیں۔ ان کے اندر ان کے علاوہ اور ہم مرکز دوائر ہیں۔ جن
میں آفتاب وقمر کے حلقے دیئے گئے ہیں۔ اس کے نیچے دو قطاریں بارہ بارہ دروازوں کی ہیں
اوپر کی قطار میں دروازے بند ہیں۔ اور نیچے کے کھلے ہیں۔ ایک سوئی بائیں طرف سے دائیں
طرف کو سفر کرتی ہے۔ جو نیچے کے دروازوں سے لگا دی گئی ہے۔ اس کے نیچے دائیں بائیں
دو عقاب کی تصاویر ہیں۔ اور ان کے نیچے دو برتن ہیں جن پر نقاسے ہیں۔ محراب میں پھر بارہ
بارہ شیشیوں کے دائرے دکھائے ہیں۔ اور اس کے نیچے محراب میں دو شخص ڈھول پیٹ رہے
ہیں۔ اور دو نفیریاں بجا رہے ہیں۔ اور درمیان میں ایک نقارچی نقارہ بجا رہا ہے۔ اس گھڑی
میں وقت اس طرح سے دیکھا جا سکتا ہے۔ کہ جب ایک گھنٹہ گذر جاتا ہے۔ تو سوئی بائیں
طرف کو سفر کرتی ہے۔ تو ایک دروازہ سے گذر کر دوسرے میں کھڑی ہو جاتی ہے۔ تب پہلا
دروازہ اوپر کی قطار میں کھلتا ہے۔ اور کسی شخص کی تصویر نمودار ہوتی ہے۔ تو نیچے کی قطار

کے دروازے میں مختلف رنگ ظاہر ہو جاتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ بارہ میں سے
ایک گھنٹہ گذر گیا ہے۔ دونوں عقاب ان نقاروں پر جھک کر ان کو پیٹتے ہیں۔ تو ہر ایک
گھنٹہ کے بعد اس طرح اس میں آواز پیدا ہوتی ہے۔ ہر ایک تین، چھ، بارہ گھنٹوں کے بعد
ڈھول پیٹنے والے اور نفیریاں بجانے والے اپنا عمل کرتے ہیں۔ اور نقارچی اپنا نقارہ
بجاتا ہے۔ رات کے وقت محراب میں جو بارہ مختلف شیشے لگے ہوئے ہیں۔ اور اسے تک
سے دیکھنے والے کو اپنی حرکت کا پتہ دیتے رہتے ہیں۔ جب گھنٹہ شروع ہوتا ہے۔ تو
روشنی مدھم ہو جاتی ہے۔ جب ختم ہو جاتا ہے۔ تو سُرخ ہو جاتی ہے۔ آفتاب و قمر کے دوائر
روزانہ ان کی اصلی حالت کو ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ اگر مصنف اپنی کتاب میں یہ نقشہ ضبط نہ
کرتا۔ تو اس کی تفہیم قارئین کے لیے ناممکن تھی جس کی ضرورت کو محسوس کر کے اس نے
نقشہ کشی سے کام لیا۔ جزری کی اس کتاب کے اوراق میں بعض ایسی اشیا بھی دکھائی گئی ہیں۔
جن میں ایک ایسی مشین دکھائی ہے جس سے مائعات کا نہایت خوبی سے ٹھیک ہو سکتا ہے۔
اور اس کتاب میں تصاویر ہندسیہ اور میکانیکہ آلات کی تشریح کے لیئے پانی کو بلند کرنے کیلیے
وغیرہ وغیرہ کی تصاویر اس میں ہیں۔ کتبخانہ مصریہ کا نسخہ جو ترکی پاشا کا کہلاتا ہے۔ ۲۰۴ صفحات
پر مشتمل ہے۔ کتاب "الحیل الروحانیہ و نجا بنقا الماء" جسے فرانسیسی مستشرق کارادی خو نے
پیرس۔ کے نسخہ سے لے کر شائع کر دیا ہے۔ اس میں آلات کی تصاویر۔ پانی کے چشمے خوفناک
جانور، آواز دینے والے پرندے وغیرہ کی ہیں۔ کتاب علم الساعات والعمل بہا جو رضوان
بن عمر الخراسانی کی تالیف ہے۔ اس میں گھڑی کے ہر حصہ کی تصاویر ہیں اور ان کے ساتھ ان
کے صحیح نام اور اوصاف و عمل درج ہیں۔ اس کا بھی ایک نسخہ ترکی پاشا کا کتبخانہ مصریہ میں

ہے۔ اسی طرح مصر کے کتبخانہ میں اور بھی کتب ہیں۔

تصاویر حیوانات

کتاب الحیوان کے نام سے بہت سے عرب مصنفین نے تصنیفات کی ہیں جن میں سے جاحظ۔ دمیری اور منافی کی کتب کا پتہ ملتا ہے۔ اوران میں منافی کی کتاب فارسی میں ہے جو ابن بختشوع کی مصوّر شدہ ہے۔ برٹش موزیم میں اب تک موجود ہے۔ جو اس بات پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ کہ عربوں میں علوم کس پایہ تک پہنچ چکے تھے۔ اور شاذو نادر ہی کوئی ایسا علم رہ گیا تھا جس میں تصنیف نہیں ہوئی تھی۔ اس میں بعض خاص خاص حیوان کی تصاویر بھی بنائی گئی تھیں۔ ان میں ایک آبی بھینسہ ہے۔ کتاب کا خط نسخ ہے۔ اور عنوان کوفی خط میں ہیں۔ نیو یارک مورگن کے کتبخانہ میں ایک نسخہ مذکرہ بالا بھی ہے۔ جو اسی منافی کی کتاب الحیوان کے اوراق پارینہ معلوم ہوتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ نسخہ چھٹی صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے۔ جس سے اس قدر واضح تصاویر دیکھ کر پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ محض ظاہری انسانی یا دیگر نقوش کا خاکہ کھینچنے میں کامیاب ہی نہ تھے۔ بلکہ حیوان وغیرہ کے نقوش ان کے عادات و خاصیات کے مطابق تیار کرتے تھے۔ اس ضمن میں قزوینی کی "عجائب المخلوقات" جو فلکیات جغرافیہ اور طبعیات میں عربوں میں معلومات کا پتہ دیتی ہے۔ یہ کتاب غوتنجن میں ۱۸۴۶ئہ میں طبع ہو چکی ہے۔ ایک اور عجائب المخلوقات عبدالرحمٰن الشہیر بابی حسین الصوفی۔ اس میں بھی فلک کی اشکال ہیں اس کا نسخہ مصر میں موجود ہے۔ قاضی ابن رشید ابن الولید الفیلسوف الفقیہہ سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ اس نے ایک کتاب حیوانات میں لکھ کر خلیفہ کے دربار میں پیش کی اس میں تمام حیوانات کی تصاویر تھیں جن کے ساتھ ان کے اوصاف و خصائل تھے۔

موسیقی

لنڈن میں مجھے میرے مکرم دوست مسٹر سید حسینی فلسطینی نے بتایا۔ کہ کتبخانہ خدیو مصر میں ایک قدیم نسخہ کتاب الاغانی ابو الفرج اصفہانی متوفی ۳۵۶ھ کا ہے جس میں بے شمار تصاویر ہیں۔ اور قدیم لکھا ہوا ہے۔ اس کے متعلق مفصل معلومات سر آرنلڈ نے حاصل کی تھیں۔ یہ وہی اوّل ترین علمی کارنامہ عربی علم موسیقی، آلات موسیقی پر اس زمانہ کے مشاہیر عربی شعرا اور ان کے پڑھنے والوں کے متعلق مفصل ہے۔ کئی ضخیم جلدوں پر تنقید و تبصرہ ہے۔ یعنی در اصل بقول حضرت عمرؓ الشعر من دیوان العرب عربوں کی ثقافت کے حصّہ کثیر کا آئینہ ہے۔

ان تمام مصوّر نسخوں کے ذکر کرنے کے بعد یہ امر قابل وضاحت معلوم ہوتا ہے۔ کہ ساتویں صدی تک لوگ اپنے اپنے ماحول میں اپنی قدیم روایات پر کام کرنے لگے تھے۔ جو نسخے عراق میں تیار ہوئے ان میں وہی ماحول ہے جو وسط ایشیا میں ہوئے ان میں چینی اثر پذیر ہوا تھا۔

ادب و قصص

خلفائے بنی عباس کا زمانہ جس کو خاص کر احیاء علوم و فنون کا زمانہ کہنا بجا ہوگا۔ جہاں قریباً تمام فنون کو فروغ ہوا۔ اور تمام دیگر ممالک پر بھی فنون اسلامی کا بہیں سے اثر ہوا۔ حدوث زمانہ کی وجہ سے یہ چیز اب بالکل کالعدم ہو چکی ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کا زمانہ الف لیلہ کے پڑھنے والوں میں ہمیشہ کے لئے اپنی یاد تازہ رکھے گا۔ جو زیادہ تر آپ کے عہد کے واقعات پر مشتمل ہے۔ اور جس کے بہت سے نسخے بھی تیار کئے گئے۔ میونک جرمنی کی نمائش ۱۹۱۰ء میں چند اوراق الف لیلہ آئے جن میں سے ایک پر اس مشین کا نقشہ تھا۔ جسے ہارون الرشید نے چارلس پنجم کو تحفہ دیا تھا۔ اس بادشاہ چارلس نے عربوں سے سپین میں

جنگ کی تھی۔ اور بعض اوراق میں مصر کے بازاروں کے مناظر تھے۔ اور بعض ماہرین موسیقی کی تصاویر بھی تھیں۔ جو اپنے اپنے ساز پر طبع آزمائی کرتے ہوئے دکھائے گئے تھے۔ پوائول چپ شاہی اسلحہ سنہری عقاب سُرخ سطح پر اور ایک سنہری پیالہ نیلی سطح پر دکھائے گئے تھے۔ بعض محققین کی رائے ہے۔ کہ یہ اوراق ساتویں صدی ہجری کے تیار شدہ تھے لیکن یہ اس سے بھی قدیم معلوم ہوتے ہیں[۱]

کلیلہ و دمنہ کا ماخذ ہتھوپدیش بتائی جاتی ہے۔ اور اس کا ترجمہ عبداللہ بن مقفع نے مامون کے حکم سے کیا تھا جس کے بے شمار نسخے ملتے ہیں۔ اس کا ایک مصور نسخہ پیرس میں قدیم ایرانی تصاویر کی نمائش منعقدہ ۱۹۱۲ء میں آیا۔ جو ۶۳۳ھ کا لکھا ہوا تھا جس میں تصاویر بھی تھیں۔ ایک اور نامکمل نسخہ کے بھی چند اوراق تھے۔ جو بہت ہی اعلیٰ تصاویر رکھتا تھا۔ پیرس کے کتب خانہ ملی کا نسخہ ۶۶۰ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اور یہ خاص کر غزنوی کے کتب خانہ قدیم سے تعلق رکھتا ہے۔ جو در اصل فرانس کے موسیو ڈالیسن پیرن کا ہے۔ اس میں جانوروں کی تصاویر بھی ہیں جو اور کتب کی تصاویر سے بالکل مختلف ہیں۔ غرضکہ ان کا طریقہ ہی الگ ہے۔ اور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی چینی مصور نے ان کو متاخر سلاطین غزنہ کیلئے تیار کیا تھا۔

مجھے باڈلین لائبریری آکسفورڈ میں دو بہت اہم قدیم مصور نسخے دیکھنے کا اتفاق ہوا ایک تو کتاب الجامع بین العلم والعمل النافع فی صناعۃ الحیل علامہ بدیع الزمان ابی العز اسمعیل کا ۷۵۵ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں عمارات و دیگر شہری تصاویر ہیں۔ جن سے پورا تفہیم مطالب کا کام لیا ہے۔ دوسرا نسخہ کلیلہ و دمنہ کا ہے۔ جو ۷۵۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔ محمد بن احمد الصفی بن قاسم بن عبد الرحمٰن کا لکھا ہوا اور مصور شدہ ہے۔ اس میں بہت سی تصاویر ہیں۔

---

[۱] برلنگٹن میگزین اکتوبر ۱۹۱۴ء

محققین کی رائے ہے کہ سب سے قدیم ادبی کتاب کا مصوّر نسخہ قسطنطنیہ کے کتبخانہ میں ہے جس میں سلطان نورالدین محمدؒ متوفی ۵۱۷ھ کا نام لکھا ہے۔ ایک اور ورق پر صلاح الدین کا نام لکھا ہوا ہے۔ چونکہ یہ ایسا زمانہ کا تھا۔ جبکہ مدارس اسلامیہ میں باقاعدہ عربی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور ادب میں مقامات حریری مقامات بدیع الزمان ہمدانی کی جگہ لے چکی تھی۔ جو تمام مدارس میں پڑھائی جاتی تھی اور یہ کتاب اپنی طرز بیان میں کسی قدر سریع الفہم تھی۔ کیونکہ واقعات مندرجہ فوراً آنکھوں کے سامنے عملی صورت میں آجاتے تھے۔ اور اس امر کے مقتضی تھے۔ کہ ان کو ضرور مصوّر کیا جائے۔ چنانچہ بے شمار نسخے مصوّر کئے گئے۔ اس کے اہم نسخے اس وقت بھی فرانس وائنا اور لنڈن میں ہیں۔ پیرس کے کتبخانہ ملی کے نسخہ میں ایک سو تصاویر ہیں جن کا مصوّر یحییٰ بن محمود بن یحییٰ بن ابی الحسن بن الواسطی ہے۔ جس نے اس کو ماہ رمضان ۶۳۴ھ میں مصوّر کیا ہے۔ میں نے اسے اصل دیکھا ہے۔ برٹش موزیم لنڈن کا نسخہ ۷۲۳ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اور ابوالفضل بن ابی اسحاق مصوّر نے اس کی تصاویر بنائی ہیں۔ یہ تینوں نسخے قدیم ترین تصویر شدہ اسلامی مصوّری میں شمار ہوتے ہیں خالصاً عراقی کام ہے۔ ان پر کسی قسم کا ایرانی یا چینی اثر نہیں ہے۔ ان سے مصوّر کتب کا مدارس میں استعمال اور ان کے طریقہ تعلیم پر روشنی پڑتی ہے۔ بعض ایسے ہی نسخے ابھی تک ملان، وینس۔ فلورینس، روم وغیرہ کے عجائب خانوں میں مسلمانوں کے موجود ہیں۔ جو ابھی تک عوام کے دیکھنے میں نہیں آئے۔ ایک نسخہ مجمع التواریخ رشید الدین اڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے۔ اور یہ ۷۰۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں کافی تصاویر ہیں خصوصیت سے اس میں محمود غزنوی کی فوج کو لڑتے دکھایا ہے۔ ان سے خصوصیت سے اس وقت کے تمدن پر بہت روشنی

پڑتی ہے۔ چنانچہ جھنڈوں، منجنیق، تیر و کمان اور دیگر سامان حرب اچھی طرح دکھائے ہیں۔ ایک اور ایسا ہی قریب اسی زمانہ کا نسخہ مجمع التواریخ لنڈن میں بالکل ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے۔ دونوں نسخے دراصل ایک ہی نسخے کے حصص ہیں۔